ماہنامہ ترجمان القرآن

جاری کردہ:

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ۔ لاہور (پاکستان)

ترجمۂ قرآنِ مجید

مع مختصر حواشی

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اس میں

مترجم نے قرآنِ حکیم کے متن اور تفہیم القرآن کے ترجمے کے ساتھ بہت مختصر حواشی درج کر دیے ہیں تاکہ عام لوگ جو قرآنِ مجید کا سیدھا سادہ مفہوم سمجھنا چاہتے ہیں وہ ایک ہی جلد میں تفہیم القرآن کے خلاصے سے فائدہ اٹھا سکیں۔

سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ ○ صفحات: ۱۵۸۴ ○ کاغذ: امپورٹڈ میکینیکل ○ ہدیہ: -/۱۵۰ روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اردو بازار، لاہور ○ فون نمبر: ۲۳۴۰۱۴-۲۳۶۶۶۵
پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳

جلد ۱۱۷   مئی ۱۹۹۲ء   عدد ۳

ماہنامہ

ترجمان القرآن

جاری کردہ:

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

ماہنامہ **ترجمان القرآن** لاہور

رجسٹرڈ نمبر ایل ، ۵۳۲۰

جلد ۱۱۷ — مئی ۱۹۹۲ء ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ — عدد ۳

فہرست مضامین

رابطہ و ترسیل زر کے لیے : ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ ۔ رحمٰن مارکیٹ ، اردو بازار ، لاہور

فون نمبر: ۲۳۴۰۱۴ - ۲۳۶۶۶۵ پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳

فی پرچہ ۶ روپے زر سالانہ : ۶۰ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ملک سعید محمد پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن، اچھرہ لاہور سے شائع کیا

اشارات

آج ' جب یہ سطور تحریر کی جا رہی ہیں' جہادِ افغانستان ایک انتہائی نازک اور سنگین مرحلہ میں داخل ہو چکا ہے۔ کل کیا ہو گا' کوئی کہہ نہیں سکتا۔ اہلِ بصیرت کے لیے امید' اضطراب اور عبرت کا پورا سامان موجود ہے۔ مجاہدین کے مختلف لشکر کابل کے دروازوں پر دستک دے رہے ہیں۔ روس کا آخری ایجنٹ نجیب اللہ اقتدار چھوڑ چکا ہے' اقوام متحدہ کے ان سارے منصوبوں کے تارو پود بکھر کر رہ گئے ہیں جن کا مقصد کابل میں مجاہدین کی حکومت کی راہ روکنا تھا۔ لیکن ساتھ ہی' آنے والے لحات میں خانہ جنگی اور خوں ریزی کے سنگین خطرات بھی موجود ہیں۔ اس لحہ مجاہدین کے اخلاص' تدبر' حکمت ' اور بے غرضی کا امتحان ہے۔ یہ آنے والا کل ہی بتائے گا کہ کاتبِ تقدیر نے **"لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى"** کے قاعدہ کلیہ کے تحت افغانستان کے لیے کیا مقدر کر رکھا ہے۔

"اسلامی جمہوریہ افغانستان" جب روسی اور روس نواز کیمونسٹوں کے پنجہ' ستم کا شکار بنا تو وہاں کی اسلامی تحریک سے وابستہ نوجوانوں نے اس سرخ سیلاب کے آگے بند باندھنے کا فیصلہ کرتے ہوئے جہاد و ہجرت کا راستہ اپنا لیا۔ ظاہری' مادی اسباب کی بنیاد پر ان کا یہ فیصلہ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' کیونکہ ان شاہین صفت نوجوانوں نے صرف ایمان کے ہتھیار سے مسلح ہو کر اپنا کٹھن سفر شروع کیا تھا۔ اس وقت ان کی مثال قرآن میں مذکور ان اصحابِ کہف کی سی تھی جن کے متعلق ارشاد ہوا کہ:

اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى ○ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا (الکہف۔ ۱۳'۱۴)

وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لے آئے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت میں ترقی بخشی تھی۔ ہم نے ان کے دل اس وقت مضبوط کر دیے۔ جب وہ اٹھے اور انھوں نے یہ اعلان کردیا کہ ہمارا رب تو بس وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ ہم اسے چھوڑ کر کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریں گے اگر ہم ایسا کریں تو بالکل بے جا بات کریں گے۔

فرق صرف یہ تھا کہ اصحابِ کہف نے ہجوم باطل میں نعرہ توحید بلند کرکے' شرک و فساد کے ماحول سے ہجرت کرتے ہوئے' ایک غار میں پناہ لی تھی' اور افغان نوجوان باطل سے ٹکرانے کا عزم کرتے ہوئے' دوبارہ لوٹ آنے کے لیے' تحریک اسلامی' پاکستان کے پاس آگئے تھے۔ اس وقت دنیا کی کوئی حکومت ان مجاہدوں کی پشت پر نہیں تھی۔ پاکستانی حکومت سے بھی انکا کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ وہ محض اسی یقین پر پاکستان آگئے تھے کہ تحریک اسلامی کے پاس جائیں گے تو وہ اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہوئے ہماری نصرت کرے گی۔

الحمد للہ' اللہ تعالیٰ نے تحریک اسلامی کو یہ حوصلہ دیا کہ وہ ان کے اعتماد پر پورا اتری۔ ایک عرصے تک نوجوان افغان مجاہد تحریکِ اسلامی کے مہمان رہے' اور اپنے مقصد کے حصول کی سعی بھی کرتے رہے' مگر جہاد کا سفر جس انداز میں وہ شروع کرنا چاہتے تھے اس کے لیے ابھی مطلوبہ وسائل میسر نہ تھے۔

۱۹۷۴ء سے لے کر ۱۹۷۸ء تک افغانستان کے سابق صدر داؤد اور ان کے ساتھی کیمونسٹوں کے مقابلے میں افغان مجاہدین کی کھلم کھلا مدد کرنے کے لیے دنیا کا کوئی ملک بھی تیار نہیں تھا۔ البتہ پاکستان نے' جہاں اس وقت پیپلز پارٹی کی حکومت تھی' اس عرصے میں تقریباً ۵ ہزار افراد کو پناہ دی' اور بعض افغان مجاہدین نے اپنے طور پر کچھ فوجی تربیت بھی حاصل کرلی۔

۱۹۷۸ء میں جب نور محمد ترہ کی کا "انقلابِ ثور" رونما ہوا تو اس وقت یہاں جنرل محمد ضیاء الحق کا مارشل لاء نافذ تھا۔ اس انقلاب کے بعد افغان عوام کی وسیع اور عمومی ہجرت شروع ہوگئی۔ اس عمومی ہجرت کا بنیادی سبب بھی یہ تھا کہ جہاد کے سربراہان پہلے سے پاکستان میں موجود تھے۔ اگر انجینئر حکمت یار' استاد ربانی' مولوی یونس خالص' صبغتہ اللہ مجددی' مولوی نصر اللہ منصور اور جلال الدین حقانی کی طرح کے لوگ یہاں موجود نہ ہوتے تو بڑی تعداد میں مجاہدین کبھی اچانک پاکستان کا رخ نہ کرتے۔

وسیع پیمانے پر یہ عمومی ہجرت بھی' کسی حکومت پر بھروسے کی بجائے' صرف اللہ کی ذات پر

اعتماد کی بنیاد پر کی گئی تھی۔ بقول ایک مجاہد رہنما کے کہ "ہم نے تو صرف اس لیے مسلح جہاد کا آغاز کیا تھا کہ جب ہم اللہ کے دربار میں پیش ہوں تو منافق نہ کہلائیں' بلکہ یہ عرض کرسکیں کہ پروردگار ہم تو اپنی مقدور بھر کوشش کرکے تیرے حضور حاضر ہوگئے ہیں....."

اس وقت افغان مجاہدین کے پاس دیسی ساخت کے اسلحے کے سوا اور کوئی اسلحہ نہ تھا۔ بعد میں جب اللہ کی نصرت اور اس کی تائید ان کے شامل حال ہوگئی تو ان کی کم سے کم بنیادی ضروریات پوری ہونے لگیں۔ پاکستانی حکومت کو بھی اندازہ ہوگیا کہ روس افغانستان کو تختۂ مشق بنا کر' اور جنگجو افغانوں کو ذریعہ بنا کر' پورے جنوبی ایشیا پر اپنی گرفت مضبوط کرنا چاہتا ہے' اور اس کا اگلا شکار پاکستان ہوگا' اس لیے اسے افغان مجاہدین کی مدد کرنا چاہیے۔ امریکہ نے اس مصلحت کی بنا پر پاکستان کی پشتیبانی کرنے کا فیصلہ کرلیا کہ اگر روس کو افغانستان میں قدم جمانے کا موقع مل گیا تو خلیج اور بحرِہند اس کی زد میں آجائے گا' اور اس طرح روس دنیا کی شہ رگ قابو میں آجانے کے زعم میں یورپ' جاپان اور امریکہ کو اپنی شرائط ماننے پر مجبور کردے گا۔ ویت نام میں زخم خوردہ امریکہ کو شروع میں تو یہ حوصلہ نہیں ہوا کہ وہ روسی اثرات اور سرخ فوجوں کو افغانستان میں در آنے سے روک دے' مگر جب اس نے دیکھا کہ خود افغان عوام نے کمرِہمت کس لی ہے اور پاکستان نے بھی ان کی پشتیبانی کا فیصلہ کرلیا ہے تو وہ بھی اس نفع بخش سودے میں شریک ہوگیا۔ یورپین ممالک بھی روسی توسیع پسندی کا راستہ روکنے اور تیل کے سیال سونے کو اپنے لیے محفوظ کرنے کی خاطر افغان جہاد کے حق میں آواز اٹھانے لگے ---- مگر یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اس عالمی تائید کے باوجود بھی افغانستان کی اصل جنگ مجاہدین ہی نے لڑی۔ انہوں نے اپنی ہمت سے اس مبارک جہاد کا آغاز کیا' بے تحاشا قربانیاں دے کر اسے جاری رکھا اور اپنے ایمان صادق کی بنیاد پر اسے فتح تک پہنچایا۔ افغان مجاہدین کے پاس جہاد کے عروج کے زمانے میں بھی ہوائی جہاز کے مقابلے میں ہوائی جہاز' ٹینک کے مقابلے میں ٹینک' سکڈ میزائلوں کے مقابلے میں پیٹریاٹ' اور پکی قلعہ بند چھاؤنیوں کے مقابلے میں قلعہ بند چھاؤنیاں نہیں تھیں۔ وہ پوری دنیا کی تائید کے باوجود بے سروسامانی کا شکار تھے۔ بلکہ ان عالمی طاقتوں اور سازشی امدادیوں نے انہیں منتشر کرنے اور منظم نہ ہوسکنے کی ساری کوششوں میں بھرپور حصہ لیا۔ اپنے مفادات اور مقاصد کے حصول کی حد تک تو وہ افغان مجاہدین کی جدوجہد کی تائید کرتے رہے' لیکن مجاہدین کے ہاتھوں ایک خالص اسلامی مملکت کا قیام انہیں ہرگز گوارا نہیں تھا۔ چنانچہ ان امدادیوں کی پالیسی شروع ہی سے یہ رہی کہ روس کو کمزور کرنے اور اس کی فوجیں افغانستان سے نکالنے کی حد تک مجاہدین کی

تائید کی جائے' مگر خود مجاہدین کو کوئی منظم طاقت نہ بننے دیا جائے' تاکہ روسی خطرہ ٹل جانے کے بعد افغانوں کو بآسانی منتشر کیا جاسکے۔ اور افغانستان پر اپنے مفید مطلب ٹولے کو مسلط کیا جاسکے۔

افغان مجاہدین کے کئی لیڈروں کو بھی اس حقیقت کا کامل ادراک تھا۔ انھیں بخوبی اندازہ تھا کہ ایک دشمن کے پنجے سے نکلنے کے لیے اگر وہ دوسرے دشمن کی امداد قبول کرنے پر مجبور ہیں تو انھیں اس دوسرے دشمن کو بھی خود سے ایک فاصلے پر رکھنا ہے۔ انھوں نے براہ راست اس کی امداد قبول نہیں کی بلکہ پاکستان کو ذریعہ اور وسیلہ بنایا' دوسرے دشمن کے کسی ایک بھی فوجی کو سر زمین افغان پر قدم نہیں رکھنے دیا' یہاں تک کہ بعض افغان رہنماؤں نے بار بار دعوتوں کے باوجود بھی امریکی صدر کے ساتھ ملاقات تک سے انکار کردیا۔

اللہ کی مشیت یہ تھی کہ ان بے سرو سامان مجاہدین کے ذریعے کمیونزم کے نظریہ الحاد و لادینی کی جڑیں کاٹ دے' اور سوشلسٹ سوویت یونین کو انسانیت کے لیے سامان عبرت بنا دے۔ اسی مشیت خداوندی کا مظہر ہے کہ اس وقت سوشلسٹ سوویت یونین کی مختلف جمہوریتیں' باہم دست و گریبان اور اقتصادی بدحالی کا شکار ہیں' اور افغانستان کے علاوہ وسطی ایشیا کے مسلمان بھی روسیوں کی گرفت سے آزاد ہوچکے ہیں اور اب اپنی اصل منزل "اسلامی مملکت کے قیام" کے لیے کوشاں ہیں۔

اس وقت بد نصیبی یہ ہے کہ افغانستان میں امریکی مقاصد تو پورے ہوچکے ہیں' جاپان و یورپ کی مصلحتیں اور مفادات بھی پورے ہوچکے ہیں' مگر افغان مجاہدین اور پاکستانی عوام جس بڑے مقصد کی خاطر قربانیاں دے رہے تھے ان کا پورا ہونا باقی ہے۔ جہادی کامیابیوں کا منطقی نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ افغانستان میں مجاہدین کی اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہوتی' اور اپنی مغربی سرحد پر پاکستان کو ایک دوست اسلامی ملک کی صورت میں اپنی اس مکمل تائید و حمایت کا صلہ بھی مل چکا ہوتا' جس کے لیے پاکستانی عوام نے بے انتہا تکالیف اور صعوبتیں برداشت کی تھیں۔ مگر امریکہ اور یورپی ممالک اپنے مفادات حاصل ہوجانے کے بعد اس بات پر کیسے آمادہ ہو سکتے تھے کہ جن مجاہدوں کی تاریخی جدوجہد اور بیش بہا قربانیوں کے نتیجہ میں ایشیا اور یورپ کا سیاسی نقشہ تبدیل ہوا ہے' وہ خود بھی ثمرات جہاد حاصل کرسکیں۔ چنانچہ وہ مسلسل مختلف ریشہ دوانیوں میں مشغول رہے' خصوصاً" اقوام متحدہ کو ذریعہ بنا کر یہ کوشش کی جاتی رہی کہ افغان مجاہدین میں اختلافات کی خلیج کو مزید وسیع کیا جائے' طوائف الملوکی کا بھوت ان پر ہمیشہ کے لیے مسلط کردیا جائے اور لسانی تعصبات کے بارود سے کوہ ہندو کش کی دھرتی کو پھاڑ ڈالا جائے۔

حال ہی میں امریکی سینٹر پریسلر نے پاکستان کا دورہ کیا تو اسلام آباد میں اپنی پریس کانفرنس کے دوران بڑے دھڑلے اور انتہائی ڈھٹائی سے یہ کہا کہ پاکستان سے لے کر مشرقی یورپ تک مسلمان ممالک کی مسلسل زنجیر' جس کے ساتھ وسطی ایشیا کی چھ ریاستیں بھی شامل ہیں' ہمارے لیے خطرہ ہے' اور ہم اس خطرے کو برداشت نہیں کرسکتے۔ چنانچہ اب اس زنجیر کو توڑنے کے لیے صیہونی' امریکی اور ان کی آلہ کار قوتوں کی سازشیں عروج پر ہیں۔

افغانستان میں قیامِ امن کے نام پر مجاہدین کو حکومت سے محروم رکھنے کے لیے اقوام متحدہ ایک ۵ نکاتی پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتی رہی ہے۔ اس پروگرام کا پہلا نکتہ یہ رہا ہے کہ فوری طور پر جنگ بندی کی جائے۔ جنگ بندی سے ان کا مقصد یہ تھا کہ نجیب اللہ کی ڈوبتی کشتی کو بچایا جائے' اور افغانستان میں جو مجاہد گروپ جہاں قابض ہے اسے وہاں مستقل کردیا جائے' تاکہ باہم انتشار' انارکی اور طوائف الملوکی کی چنگاریوں کو شعلوں میں بدلا جاسکے۔

اقوامِ متحدہ نے آج تک جہاں بھی جنگ بندی کروائی ہے وہاں مسئلے کو کھٹائی میں ڈال دیا گیا ہے۔ کشمیر' فلسطین اور کوریا کی مثال ہمارے سامنے ہے' وہاں جنگ بندی کروائی گئی اور پھر مسئلے کو کمشنوں اور قراردادوں کے حوالے کرکے اسے مستقل رستے ناسور کی حیثیت دے دی گئی۔ اب یہ اللہ کا فضل ہے کہ نجیب نے خود ہی اپنی کشتی کو ڈبو دیا ہے۔

اقوامِ متحدہ کے امن فارمولے کا دوسرا نکتہ یہ رہا ہے کہ "بین الافغانی مذاکرات" کے نام سے نجیب' ظاہر شاہ اور مجاہدین میں سے من پسند نمائندگان کو ایک جگہ بٹھا کر اسے لوئی جرگہ کا نام دے دیا جائے' اور اس کے ذریعے اپنے مطلب کی ایک مخلوط حکومت قائم کروائی جائے' قطع نظر اس کے کہ مجاہدین اس جرگے پر رضامند ہوتے ہیں یا نہیں۔ امریکہ اور اقوام متحدہ کے پیش نظر اس کے علاوہ کوئی مقصد نہیں تھا کہ کسی قسم کی بھی' اور کسی گروہ کی بھی اسلامی حکومت کا راستہ روکنے کے لیے ایسے ہتھکنڈے اختیار کیے جائیں جن سے اقوام متحدہ کے ذریعے امریکی مداخلت کا راستہ ہمیشہ کھلا رہے۔

اقوامِ متحدہ کے اس فارمولے کے مقابلے میں مجاہدین نے جو امن فارمولا پیش کیا تھا اس کا پہلا نکتہ یہ تھا کہ ایسی عبوری حکومت تشکیل دی جائے جس پر مسئلے کے تمام فریق متفق ہوجائیں' جو کلی طور پر غیر جانبدار ہو اور غیر جانبدار افراد پر مشتمل ہو۔ ٹیکنوکریٹس میں سے ماہرین تعلیم' ریٹائرڈ جج اور سابق سفارت کار اس میں شامل ہوں' اور اس کی سربراہی کسی ایسے شخص کو دی

جائے جس نے نہ پہلے حکومت کی ہو اور نہ آئندہ اس کی حکومت مستقل حیثیت اختیار کر سکتی ہو ـــــــ مجاہدین کے علاوہ اگر دوسرے فریق بھی ایسی حکومت کی تشکیل پر متفق ہو جائیں تو چھ ماہ کے اندر اندر یہ حکومت عام انتخابات کروا سکتی تھی' مہاجرین کی واپسی کے انتظامات کر سکتی تھی' اور منتخب لوگوں تک انتقال اقتدار کا پرامن راستہ تلاش کر سکتی تھی۔

مجاہدین کا پیش کردہ یہ حل زیادہ قابل عمل' زیادہ پرامن اور زیادہ منطقی تھا۔ لیکن چونکہ آزادانہ انتخابات میں مغربی طاقتیں اپنی مرضی کے نتائج حاصل نہیں کر سکتی تھیں' اس لیے یہ طاقتیں ایک غیر جانبدار حکومت اور آزادانہ انتخاب کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرتی رہیں' اور مخلوط حکومت اور "لوئی جرگہ" کے ذریعے اپنی مرضی کی حکومت مسلط کرنے کے لیے کوشاں رہیں۔ الجزائر کے تجربے کے بعد' مغربی طاقتیں مسلمان ممالک میں جمہوریت کے بجائے سازشوں' فوجی ٹولوں اور فوجی و سول ڈکٹیٹروں کے ذریعے اقتدار پر قبضہ جمائے رکھنے ہی میں اپنی عافیت سمجھتی ہیں۔

اب یہ سراسر خدا کا فضل ہے کہ اس نے مغربی طاقتوں اور اقوام متحدہ کے ان سارے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ کسی بھی قسم کے منصوبے کی تکمیل سے پہلے نجیب نے ہمت ہار دی' اقتدار سے دستبردار ہو گیا' اور مجاہدین کابل کے دروازوں تک پہنچ گئے۔

آج افغانستان کے جہاد کا یہ مرحلہ ایک ایسا مرحلہ ہے جب اگر مجاہدین اتحاد و اتفاق' حکمت و تدبر اور جرات و حوصلے سے کام لیں تو چند ہی دنوں میں کابل میں اسلامی حکومت قائم ہو سکتی ہے۔ مگر مجاہدین کے مقاصد کے مطابق افغان مسئلے کے حل کے راستے میں اب سب سے بڑی رکاوٹ خود مجاہدین کا وہ باہمی افتراق و انتشار ہے' جسے مغربی طاقتیں ہوا دیتی رہی ہیں۔ ہم ہر مجاہد رہنما کو یکساں عزیز رکھتے ہیں' ہر ایک سے محبت کرتے ہیں' سب کی یکساں تکریم کرتے ہیں' ہر موقعہ پر سب کی حمایت کی ہے' ان کی کمزوریوں کی پردہ پوشی بھی کی ہے' اور پس پردہ مخلصانہ نصیحت کا حق ادا کرتے رہے ہیں۔ مگر اب افغان جہاد کے اس آخری اور انتہائی سنگین و حساس مرحلہ میں ہم یہ بات کھلم کھلا کہنے کے لیے مجبور ہو رہے ہیں کہ اگر مجاہد لیڈروں نے امت کے اجتماعی مقاصد کے حصول کا یہ سنہری موقع صرف اپنی باہمی رقابت کی وجہ سے گنوا دیا تو برسوں کی قربانیاں بلا ثمر مدفون ہو جائیں گی' لاکھوں شہدا کی روحیں مضطرب ہو جائیں گی۔ ہم عبدالرحیم نیازی شہید' استاذ غلام محمد نیازی شہید' انجینئر حبیب الرحمان شہید' ڈاکٹر محمد عمر شہید' سیف الدین

شہید، ذوالفقار غفوری شہید اور مولوی حبیب الرحمان شہید اور اپنے لاکھوں شہید ساتھیوں کی توقعات پر پورا اترنے میں ناکام رہیں گے۔ لیکن اگر مجاہدین کی دو چار بڑی جماعتیں، جو ہر طرح سے ہم خیال ہیں اور عقیدے و مسلک کے کسی قسم کے اختلافات بھی ان میں نہیں ہیں، کامل اخلاص کے ساتھ یکجہتی کا فیصلہ کر لیں تو دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی ان کی مرضی کے خلاف افغانستان کے مستقبل کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔

مجاہدین ہم سے زیادہ اس بات سے آگاہ ہیں کہ جہاد کے سبیل اللہ ہونے کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ وہ خالصتاً" للہ ہو، اللہ اور رسول کے علاوہ کوئی نیت اور مقصود نہ ہو۔ اگر نیت میں کسی قسم کی بھی ذاتی غرض شامل ہو جائے تو سارا جہاد اکارت بھی جا سکتا ہے۔ اسی طرح وہ اس بات سے بھی بخوبی آگاہ ہیں کہ ہر مسلمان پر اس کے مسلمان بھائی کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت حرام ہے۔ جو مسلمان عمداً اپنے مسلمان بھائی کا خون بہائے، اس کا ٹھکانہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہے۔ اس لیے ہم پوری دردمندی اور دلسوزی کے ساتھ اپنے مجاہد بھائیوں سے اپیل کرتے ہیں کہ کم سے کم وہ خانہ جنگی سے، ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار اٹھانے سے، ایک دوسرے کا خون بہانے سے کلیتاً" اجتناب کریں۔ ہم ان سے یہ اپیل بھی کریں گے کہ وہ باہمی تنازعات کو ترک کر دیں، اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں کہ "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو)" اور "وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے)"۔ اور "وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی)"۔ اللہ تعالیٰ کی وہ تائید جس سے فتح نصیب ہو، دو چیزوں ہی سے نصیب ہو سکتی ہے۔ ایک نصرت الٰہی، دوسرے مومنین کی ایک ایسی جماعت جن کے دل محبت والفت کے سیمنٹ سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہوں۔

جس لمحہ افغان مجاہدین متحد ہو کر ایک حکومت تشکیل دے لیں گے، خواہ اس میں کسرو انکسار سے بھی کام لینا پڑے، اسی لمحے کابل کے دروازے ان کے لیے کھل جائیں گے۔

جہاد کے اس آخری مرحلے میں ایران اور پاکستان کا رویہ ناقابل فہم ہے۔

ایران نے انسانی بنیادوں پر امداد کے بہانے نجیب کے ساتھ تعلقات استوار کیے' اور اسے سہارا دینے کی کوششیں بھی کیں۔ اسی طرح ایک طرف تو ایران نے افغانستان میں شیعہ عناصر کو مسلح کر کے ان کے ذریعے اپنا اثر و رسوخ بڑھانا شروع کیا' اور دوسری طرف تہران میں فارسی بولنے والے ممالک کی ایک کانفرنس منعقد کر کے اس میں صرف فارسی بولنے والے افغانوں کو بھی مدعو کیا۔ اس طرح اس نے فارسی اور پشتو کی بنیاد پر افغانستان کی تقسیم میں بالواسطہ طور پر ملوث ہونے کی غلطی کی۔

اغیار کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے ایران کا بذات خود اس میں حصہ دار بن جانا زیادہ قابل افسوس اس لیے ہے کہ ایران نے ایک پڑوسی ملک ہونے کا حق ادا کرتے ہوئے سالہا سال تک مہاجرین کو پناہ دی ہے اور بین الاقوامی سطح پر ہر مرحلے میں بڑھ چڑھ کر ان کی تائید کی ہے۔ اب اس آخری مرحلے میں بھی ایران کو ہر قسم کے فرقہ وارانہ یا لسانی تعصب سے بالا رہ کر' تقسیم کی اس امریکی و برطانوی سازش کا حصہ بننے کے بجائے' افغانستان میں ایک اسلامی حکومت کے قیام میں اپنا بھرپور حصہ ادا کرنا چاہیے تھا۔

امریکہ' برطانیہ اور اس کے زیر اثر حکومتوں کی کوشش تو یہی ہے کہ پاکستان' ایران اور ترکی کے باہمی تعاون کی بجائے ان کو باہم متخاصم فریق بنا دیا جائے' اور انہیں وسطی ایشیا و افغانستان میں افہام و تفہیم کی بجائے الگ الگ اور باہم متصادم مقاصد کے لیے کوشاں کیا جائے' لیکن ہم اس جال میں کیوں پھنسیں ؟

ان مجاہدین کو متحد کرنے کے لیے حکومت پاکستان بڑا اہم کردار ادا کر سکتی ہے' مگر بدقسمتی سے اس وقت حکومت میں کوئی ایک شخصیت بھی ایسی نہیں ہے جو افغان مسئلے کے تمام پہلوؤں کا مکمل ادراک رکھتی ہو' افغان عوام و قائدین کے حالات و نفسیات سے بخوبی واقف ہو اور کامل اسلامی جذبے کے ساتھ مسئلے کو حل کرنا چاہتی ہو۔ اس فیصلہ کن مرحلے میں بھی آگے بڑھ کر ثمرات حاصل کرنے کے بجائے حکومت تذبذب کا شکار رہی ہے اور خود کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے اقوام متحدہ کے ایک معمولی افسر بینن سیوان کی راہ تکتی رہی ہے۔ حالانکہ بینن سیوان کو مسلمانوں کے مسئلے اور مسلم مفادات سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ وہ تو خود ان لوگوں کا نمائندہ ہے جو مسلمانوں کے خلاف کھلم کھلا اپنے بغض کا اظہار کر چکے ہیں اور یہ بزدلانہ دھمکی دے چکے ہیں کہ مسلمانوں کی مسلسل زنجیر ہمارے لیے خطرہ ہے۔

اقوام متحدہ کے فارمولے کے ناقابل عمل ہونے کے باوجود حکومت پاکستان کا یہ کہنا کہ ہمیں

اس سے اتفاق ہے' بار بار اس پر عمل کی تلقین کرنا' اسی پر افغان مسئلے کے حل کو منحصر کر دینا' اس کے ضعف و تذبذب کی کھلی دلیل ہے۔ حکومتی پالیسیاں امریکہ کے زیر اثر ہونے کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ جب سے روس اور امریکہ نے طرفین کی امداد بند کرنے کا فیصلہ کیا ہے تب سے حکومت پاکستان نے بھی مجاہدین کی امداد کے تمام دروازے بند کر دیئے ہیں۔ حالانکہ یہی وقت تھا کہ ان کی امداد پہلے سے زیادہ بھرپور انداز میں کر کے مسئلہ افغانستان کو اپنے مطلوبہ نتائج تک پہنچا دیا جاتا۔ نہ صرف یہ بلکہ پاکستان نے نجیب حکومت کو سہارا دینے کے لیے بذریعہ ہوائی جہاز گندم کابل بھیجی' ظاہر شاہ اور نجیب کے ساتھیوں کو برسر اقتدار لانے کے لیے اقوام متحدہ کے ہر اقدام پر لبیک کہا۔

اس وقت پاکستانی حکومت اگر افغان مسئلے کو جہاد کے مطلوبہ مقاصد کے مطابق حل کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو وسط ایشیا کی کنجی افغانستان کی صورت میں مسلمانوں کے پاس ہوگی۔ دنیا کے نقشے پر باہمی تعاون کرنے والی اسلامی ریاستوں کی ایک لڑی وجود میں آجائے گی۔ افغانستان کے راستے قرغیزستان' تاجکستان' اوزبکستان' قازقستان' اور ترکمانستان' کراچی کی بندرگاہ سے منسلک ہوجائیں گی' کیونکہ ان پانچوں ریاستوں کے لیے کراچی ہی سب سے قریبی اور مناسب بندرگاہ ہے۔

ہم پوری امید رکھتے ہیں کہ افغان جہاد کی قربانیاں بہر صورت ثمربار ہو کر رہیں گی' تمام مشکلات جلد دم توڑ دیں گی اور پاکستان و افغانستان کی تحریک اسلامی مل کر قافلہ جہاد کو حتمی منزل تک پہنچا کر دم لے گی۔ انشاء اللہ۔

لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ بَعْدُ ؕ وَ یَوْمَىٕذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ○ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (الروم - ۴' ۵' ۶)

اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور وہ دن وہ ہوگا جبکہ اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر مسلمان خوشیاں منائیں گے۔ اللہ جسے چاہتا ہے نصرت عطا فرماتا ہے اور وہ زبردست اور رحیم ہے۔ یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے' اللہ کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا' مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

حکمتِ مودودیؒ

آپس کی اصلاح اور اس کا طریقہ

میں آپ کو یہ نصیحت بھی کرتا ہوں کہ آپ اپنی اور اپنے گھر والوں کی اصلاح کے ساتھ آپس میں بھی ایک دوسرے کی اصلاح کریں۔ جو لوگ خدا کی خاطر کلمۂ حق کی سربلندی کے لیے ایک جماعت بنیں انھیں ایک دوسرے کا ہمدرد و مددگار اور غم خوار ہونا چاہیے۔ انھیں یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنے مقصدِ عظیم میں کامیاب نہیں ہوسکتے جب تک کہ بحیثیت مجموعی اخلاق اور نظم کے لحاظ سے مضبوط نہ ہوں اور اس احساس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ سب ایک دوسرے کی تربیت میں مددگار بنیں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کو سہارا دے کر خدا کی راہ میں آگے بڑھانے کی کوشش کرے۔ اسلام میں اجتماعی تزکیے کا طریقہ یہی ہے۔ میں گرتا نظر آؤں تو آپ دوڑ کر مجھے سنبھالیں، اور آپ لغزش کھا رہے ہوں تو میں بڑھ کر آپ کا ہاتھ تھام لوں۔ میرے دامن پر کوئی دھبہ نظر آئے تو آپ اسے صاف کریں اور آپ کا دامن آلودہ ہو رہا ہو تو میں اسے پاک کروں۔ جس چیز میں میری فلاح و بہتری آپ کو محسوس ہو اسے آپ مجھ تک پہنچائیں اور جس چیز میں آپ کی درستی مجھے محسوس ہو اسے میں آپ تک پہنچاؤں۔ مادی دنیا میں جب لوگ ایک دوسرے سے لین دین کرتے ہیں تو مجموعی طور پر سب کی خوشحالی میں اضافہ ہوتا ہے، اسی طرح اخلاق و روحانیت کی دنیا میں بھی جب یہ امداد باہمی اور داد و ستد کا طریقہ چل پڑتا ہے تو پوری قوم کا سرمایہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔

باہمی اصلاح کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جس شخص کی کوئی بات آپ کو کھٹکے، یا اس سے کوئی شکایت آپ کو ہو۔ اس کے معاملے میں آپ جلدی نہ کریں، بلکہ پہلے اسے اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں۔ پھر اولین فرصت میں خود اس شخص سے مل کر تخلیہ میں اس سے بات کریں۔ اس پوری مدت میں اس معاملہ کا ذکر غیر متعلق لوگوں سے کرنا اور شخصِ متعلق کی غیر موجودگی میں اس کا چرچا کرنا صریحاً "غیبت ہے جس سے قطعی اجتناب کرنا چاہیے۔

اجتماعی تنقید کا صحیح طریقہ

آپس میں ایک دوسرے کی غلطیوں اور کمزوریوں پر تنقید بھی اجتماعی اصلاح کا ایک مفید طریقہ ہے۔ مگر تنقید کے صحیح حدود اور آداب ملحوظ نہ رکھنے سے یہ سخت نقصان دہ بھی ہوسکتا ہے۔ اس لیے میں وضاحت کے ساتھ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس کی حدود اور آداب کیا ہیں:

۱۔ تنقید ہر وقت ہر صحبت میں نہ ہو۔

۲۔ تنقید کرنے والا اللہ کو شاہد سمجھ کر پہلے خود اپنے دل کا جائزہ لے لے کہ وہ اخلاص اور خیر خواہی کے جذبے سے تنقید کر رہا ہے یا اس کا محرک کوئی نفسانی جذبہ ہے۔ اگر پہلی صورت ہو تو بے شک تنقید کی جائے ورنہ زبان بند کر کے خود اپنے نفس کو اس ناپاکی سے بچانے کی فکر کرنی چاہیے۔

۳۔ تنقید کا لہجہ اور زبان دونوں ایسے ہونے چاہئیں جن سے ہر سننے والے کو محسوس ہو کہ آپ فی الواقع اصلاح چاہتے ہیں۔

۴۔ تنقید کے لیے زبان کھولنے سے پہلے یہ اطمینان کرلیجیے کہ آپ کے اعتراض کی کوئی بنیاد واقعہ میں موجود ہے۔ بلا تحقیق کسی کے خلاف کچھ کہنا ایک گناہ ہے جس سے فساد رونما ہوتا ہے۔

۵۔ جس شخص پر تنقید کی جائے اسے تحمل کے ساتھ بات سننی چاہیے۔ انصاف کے ساتھ غور کرنا چاہیے۔ جو بات حق ہو اسے سیدھی طرح مان لینا چاہیے اور جو بات غلط ہو اس کی بدلائل تردید کردینی چاہیے۔ تنقید سن کر طیش میں آجانا کبر اور غرورِ نفس کی علامت ہے۔

۶۔ تنقید اور جوابِ تنقید اور جواب الجواب کا سلسلہ بلا نہایت نہیں چلنا چاہیے۔ کہ وہ ایک مستقل ردوکد بن کر رہ جائے۔ بات صرف اس وقت تک ہونی چاہیے جب تک دونوں طرف کے مختلف پہلو وضاحت کے ساتھ سامنے نہ آجائیں۔ اس کے بعد اگر معاملہ صاف نہ ہو تو گفتگو ملتوی کردیجیے، تاکہ فریقین ٹھنڈے دل سے اپنی اپنی جگہ غور کرسکیں۔ ان حدود کو ملحوظ رکھ کر جو تنقید کی جائے وہ نہ صرف یہ کہ مفید ہے بلکہ اجتماعی زندگی کو درست رکھنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی تنظیم زیادہ دیر تک صحیح راستے پر گامزن نہیں رہ سکتی۔ اس تنقید سے کسی کو بھی بالا تر نہ ہونا چاہیے۔ میں اس کو جماعت کی صحت برقرار رکھنے کے لیے ناگزیر سمجھتا ہوں، اور مجھے یقین ہے کہ جس روز خدانخواستہ ہمارے یہاں اس کا دروازہ بند ہوا، اسی روز ہمارے بگاڑ کا دروازہ کھل جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ میں ابتدا سے ایک اجتماع

بقیہ بر صفحہ ۲۱

سفرِ حج اور سفرِ آخرت

افادات ابو حامد محمد الغزالیؒ

اے دوست ! خانہ کعبہ خدائے عزوجل کا گھر ہے' یہ زمین و آسمان کے بادشاہ کا دربار ہے۔ تم اس کے دربارِ شاہی میں جا رہے ہو' گویا اس ہی کی زیارت کو جا رہے ہو۔ بے شک اس دنیا میں تمھاری آنکھ دیدارِ الٰہی کی استعداد نہیں رکھتی۔ لیکن بیت اللہ کا قصد کرنے سے' اس گھر کی زیارت کرنے سے' اس ہی کے وعدہ کے بموجب' تمہیں آخرت میں رب البیت کا دیدار نصیب ہو سکتا ہے۔ حج کا یہ سفر بالکل آخرت کے اس سفر کی طرح ہے جس کے بعد اس کا دیدار ہو گا۔ دیکھو آج کا یہ سفر ضائع نہ ہو' تاکہ آخرت میں مقصود' زیارت' یعنی دیدار الٰہی' ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ ہر گامِ سفر آخرت کو یاد رکھو' آخرت کی تیاری کرو' تب ہی مقصودِ سفر حاصل ہو گا۔

اے دوست ! یاد رکھو' اس سفر کی اصل سواری شوق کی سواری ہے۔ جتنی شوق کی آگ تیز ہو گی' اتنی ہی مقصد تک رسائی یقینی ہو گی۔ اللہ سے خوب محبت کرو۔ جس دل میں اللہ سے محبت ہو گی' اس دل میں دیدارِ کعبہ کا شوق بھڑک اٹھے گا' کہ وہ محبوب کے دیدار کا وسیلہ ہے۔ محبوب سے جس چیز کو بھی نسبت ہو جائے' محبت کرنے والے کو وہ چیز جان و دل سے محبوب ہو جاتی ہے۔ اس کا شہر' اس کی گلی' اس کا گھر' اس کا در۔ کعبہ کو اللہ تعالیٰ نے "میرا گھر" کہا ہے' اگرچہ وہ اس سے پاک ہے کہ کسی گھر میں رہے۔ جب محبوبِ لامکان نے ایک مکان کو اپنا گھر بنا لیا ہے' تو کوئے یار تک پہنچنے کے لیے شوق سے بے تاب دل کی رفاقت سب سے بڑھ کر حصولِ مقصد کی ضامن ہے۔

تم اگر خانہ کعبہ کے مشتاق اس لیے ہو کہ وہ اللہ کا گھر ہے' تو صرف اسی نسبت سے اس کا سفر کرو۔ گویا اپنی نیت اور ارادہ صرف اللہ کے لیے خالص کر لو۔ خوب یاد رکھو کہ بجز خالص کے کوئی ارادہ اور کوئی عمل اس کے ہاں قبول نہیں۔ پس خاص طور پر' جس بات میں ریا ہو اور

شہرت کی تلاش ہو' اس کو ترک کردو۔اس سے بری بات کیا ہوسکتی ہے کہ سفر تو بادشاہ سے ملاقات کے لیے ہو' اور مقصود اس کے سوا کچھ اور ہو۔ دل میں بیت اللہ اور رب البیت کا مقام پہچانو گے' اور یاد رکھو گے' تو پھر ارادہ اس سے کسی کم تر چیز کا نہ کرو گے۔

سفرِ حج بھی' ہر سفر کی طرح' ترکِ علائق سے شروع ہوتا ہے۔ گھر چھوڑتے ہو' گھر والے چھوڑتے ہو' مال و تجارت ترک کرتے ہو' وطن سے جدا ہوتے ہو۔ مگر اس سفر میں کامیابی کے لیے سب سے پہلے ان حقوق سے تعلق منقطع کرو جو دوسروں کے اپنے ہاتھوں میں دبا رکھے ہیں' اور ایسے سارے حقوق حق داروں کو واپس کردو۔ یاد رکھو' ذرہ برابر ظلم بھی اگر کسی پر کیا ہے تو وہ تمہارا قرض خواہ ہے۔ وہ تمہارا گریبان پکڑ کر کہتا ہے ' تم کہاں جاتے ہو' شرم نہیں آتی کہ جاتے ہو شہنشاہ کے گھر' اور اپنے گھر میں اس کے حکم کو اس قابل بھی نہیں سمجھتے کہ اس کی تعمیل کرو' ڈرتے نہیں کہ اتنے گناہوں کے ساتھ کہیں وہ تمہیں واپس نہ کردے۔ اس لیے' اگر اپنی زیارت کی قبولیت چاہتے ہو تو خالص توبہ کرکے ہر گناہ سے تعلق توڑ لو' حقوق جو ظلم سے لیے ہیں واپس کردو' اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں لگ جاؤ۔

اپنے دل کا علاقہ ماسوا اللہ سے بھی منقطع کرلو' اور جس طرح اپنے سفر کا رخ اس کے گھر کی طرف کرلیا ہے' اپنے دل کا رخ اسی کی طرف کرلو۔ وطن سے تعلق اس طرح منقطع کرلو جیسے پھر لوٹ کر نہ آؤ گے' اہل و عیال کے لیے وصیت لکھ کر جاؤ۔ سفر کا سامان کرتے ہو' تو اتنا خرچ ساتھ لینے کا اہتمام کرتے ہو کہ کسی جگہ کمی نہ پڑے۔ یاد رکھو کہ آخرت کا سفر اس سفر کی بہ نسبت کہیں زیادہ طویل اور کٹھن ہے' اور اس سفر کا سامان تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے علاوہ ہر مال و اسباب دغا دے گا' اور موت کے وقت پیچھے رہ جائے گا۔ اس فکر اور کوشش میں رہو کہ اعمالِ حج میں ایسی آمیزش یا نقص نہ آجائے کہ وہ موت کے بعد تمہارا ساتھ نہ دیں' اور اس سفر سے تم سفرِ آخرت کے لیے تقویٰ کا زادِ راہ زیادہ سے زیادہ جمع کرلو۔

اے دوست ! اہل و عیال اور مال و اسباب سے رخصت ہو کر جب سواری پر سوار ہو' تو اللہ کا شکر ادا کرو جس نے خشکی پر' پانی میں' ہوا میں' ہر قسم کی سواری کو تمہارے لیے مسخر کردیا۔ حج کی سواری پر نظر پڑے' تو اپنے جنازہ کو نگاہوں کے سامنے رکھو' جس پر سوار ہو کر ایک روز آخرت کی طرف کوچ کرنا ہوگا۔ آج حج کی سواری پر سفر اس طرح کرو کہ جنازہ پر سفر کرنا آسان ہو۔ کیا معلوم کہ موت' سفرِ حج سے بھی زیادہ قریب ہو۔

اے دوست ! احرام کے لیے چادریں خریدو' تو وہ دن یاد کرو جب تم کفن کی دو بے سلی

چادروں میں لپیٹے جاؤ گے۔ ہو سکتا ہے کہ حج کا سفر پورا نہ ہو اور راستے ہی میں موت آجائے' مگر کفن میں لپٹ کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات تو یقینی ہے۔ جس طرح اللہ کے گھر کی زیارت روز مرہ کا لباس اتار کر' اس سے مخالف لباس پہنے بغیر نہیں ہو سکتی' اللہ کی زیارت بھی اس کے بغیر نہ ہوگی کہ دنیا کو اتار کر اس سے مخالف لباس میں ملبوس ہو جاؤ۔

اے دوست! شہر سے نکلتے ہو تو' اہل و عیال اور وطن سے جدا ہو کر' ایسے سفر پر جاتے ہو جو دنیا کے اور سفروں سے کوئی مشابہت نہیں رکھتا۔ سوچنا چاہیے کہ میرا مقصد کیا ہے' میں کہاں جا رہا ہوں' اور کس کی زیارت مطلوب ہے۔ اچھی طرح یاد رکھو کہ اس سفر سے تمھارا مقصود اللہ تعالیٰ ہے' اسی کے گھر جا رہے ہو' اس ہی کی پکار پر' اس ہی کے شوق دلانے سے' اس ہی کے حکم سے' سارے تعلقات ترک کر کے' اس گھر کی طرف جا رہے ہو جس کی شان انتہائی عظیم ہے' جس کی زیارت کے وسیلے خود صاحبِ گھر کی زیارت تمھیں نصیب ہوگی۔ مگر امید اپنے اعمال سے نہ رکھو' بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل پر رکھو ------ وہ میرے ساتھ ہوگا' میری مدد کرے گا' میری دستگیری و رہنمائی کرے گا' مجھے منزل مراد تک پہنچائے گا ------ یہ کرم اس کا کیا کم ہے کہ اس سفر سے اگر تم خانہ کعبہ نہ بھی پہنچ سکو' اور راستہ ہی میں موت آجائے' تو بھی اس سے ملاقات اس حال میں ہوگی کہ تم اس کی طرف سفر میں ہو۔ پھر اس کے سارے وعدے پورے ہوں گے۔ کیا اس نے وعدہ نہیں فرمایا ہے کہ

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ (النساء: ۱۰۰)

اور جو اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکلے' پھر راستہ ہی میں اسے موت آجائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے واجب ہو گیا۔

شہر سے نکل کر میقات تک سفر کرو' تو موت کے بعد جسم سے نکل کر میقاتِ قیامت تک کے سفر کے احوال یاد کرو۔ قبر کی تنہائی' اور عذاب' آگے کے اندیشے اور خطرات' منکر نکیر کے سوالات!

اے دوست! میقات پر لبیک کہو' تو دل خوف و امید سے لرز جائے۔ یہ ربِّ کائنات کی پکار ہے جس پر تم کہہ رہے ہو کہ میں حاضر ہوں۔ کہیں یہ نہ کہہ دیا جائے کہ لالبیک ولا سعدیک' نہ تم خدمت کے لیے حاضر ہو' نہ ہمارے لیے مستعد۔ ابوسلیمان دارانیؒ کہتے ہیں' میں نے سنا ہے کہ جو شخص ناجائز مال رکھتے ہوئے حج کرتا ہے اس سے کہا جاتا ہے کہ "نہ تیرا لبیک معتبر ہے نہ

سعدیک‘ جب تک تو وہ چیز نہ واپس کردے جو دوسروں کی تیرے قبضہ میں ہے“۔ مگر انتہائی خوف کے ساتھ‘ پوری امید رکھو کہ وہ جواب قبول فرمائے گا۔ اپنے عمل اور طاقت پر نہ جاؤ‘ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر تکیہ رکھو۔

اللہ تعالیٰ کی پکار پر لبیک کہو تو وہ وقت بھی یاد رکھو جب صور پھونکا جائے گا اور لوگ اٹھ کر میدانِ قیامت میں جمع ہوجائیں گے۔ سوچو کہ میں کس صف میں جاؤں گا اور میرا نامۂ اعمال کس ہاتھ میں دیا جائے گا؟ مقربین میں؟ اصحاب الیمین میں؟ یا اصحاب الشمال میں؟

اے دوست! جو حرم میں داخل ہوجاتا ہے‘ مامون ہوجاتا ہے۔ مکہ میں داخل ہو تو اللہ تعالیٰ کے غضب اور آگ کو یاد کرو‘ اور اس سے پوری امید رکھو کہ وہ تمھیں اپنے غضب اور اپنی آگ سے بھی مامون رکھے گا۔ یہ خلش بھی دل میں رہے کہ میں اس قرب کا اہل نہ ہوا تو کہیں مستحقِ غضب نہ ٹھیروں۔ مگر رحمٰن کے گھر تک پہنچ جانے کے بعد‘ اس کا مہمان بن جانے کے بعد‘ اس کے جوار میں بسیرا کرلینے کے بعد‘ چاہیے کہ ہر جگہ امید‘ خوف پر غالب رہے۔ اس کا کرم عام ہے‘ اور خانہ کعبہ کے شرف و عظمت کی رعایت سے آنے والے کا اکرام ہوتا ہے‘ اور پناہ مانگنے والے کی حرمت تلف نہیں کی جاتی۔

اے دوست! ایسا نہ ہو کہ خانہ کعبہ پر نظر پڑے‘ اور نگاہِ دل عظمتِ کعبہ پر نہ ہو۔ جو ”البیت“ کو دیکھتا ہے‘ وہ یہ جانے کہ گویا ”رب البیت“ کو دیکھتا ہے۔ اس کی تجلی سے ہوش و حواس ٹوٹ پھوٹ جائیں تو بھی کم ہے۔ شکر کرے کہ اس نے اس مقام تک پہنچایا‘ اس وقت کو یاد کرے جب چہرے اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کی نعمت سے شاد کام ہوں گے‘ اور امید رکھے کہ آج جس طرح اس کا گھر سامنے ہے‘ کل اسی طرح وہ خود نگاہوں میں ہوگا۔

اے دوست! طواف کا قصد کرو‘ تو دل ذوق و شوق‘ خوف و رجا‘ محبت و تعظیم سے بھرا ہو۔ یہ خیال نہ کرنا کہ طواف کا مقصد صرف اتنا ہے کہ جسم بیت اللہ کا طواف کرے۔ نہیں‘ طواف کا برتر و اعلیٰ مقصد یہ ہے کہ دل رب البیت کا طواف کرے‘ یاد کا مرکز وہی بن جائے۔ خانہ کعبہ عالمِ ظاہر میں دربارِ الٰہی کا نمونہ ہے۔ ان فرشتوں کی طرح طواف کرو جو عرش کا طواف کرتے ہیں۔

حجرِ اسود کو بوسہ دو تو یہ جانو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر اطاعت و فرمانبرداری کی بیعت کر رہے ہو۔ حجرِ اسود‘ جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا‘ یمین اللہ عز و جل فی الارض (اللہ کا داہنا ہاتھ زمین پر) ہے‘ یصافح بھا خلقه کما یصافح الرجل اخاہ (جس سے وہ اپنے بندوں سے اس طرح مصافحہ کرتا ہے جس طرح ایک آدمی اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے۔ (مسلم) یہ

تمہاری خوش قسمتی ہے کہ یہاں پہنچ گئے' اب ' اللہ سے وفائے عہد کے عہد کو پختہ تر کر لو' اور بے وفائی سے بچنے اور اس کے غضب سے ڈرتے رہنے کا عزم تازہ کر لو۔

اب خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ لو' گویا کہ اللہ تعالیٰ کا دامن پکڑ رہے ہو۔ ملتزم سے چمٹ جاؤ' گویا کہ اس سے قریب ہو گئے۔ دربار پر سر رکھ دو' جیسے کوئی خطا کار دامن پکڑتا ہے' معافی کے لیے عاجزی کرتا ہے۔ یہ وقت اور مقام الحاح و زاری' توبہ و استغفار' ندامت و شوق اور رجا و خوف کا وقت اور مقام ہے۔

رو رو کر عرض کرو کہ "آپ کا دامن چھوڑ کر کہاں جاؤں' کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤں' کس کے قدم پکڑ لوں ؟ میرا ملجا و ماویٰ آپ کے سوا کوئی نہیں۔ آپ کے کرم و عفو کے سوا میرا ٹھکانہ کوئی نہیں۔ آپ کا دامن نہ چھوڑوں گا' آپ کے در سے نہ ہٹوں گا' جب تک آپ میری خطاؤں کو معاف نہ فرمائیں' اور آئندہ امن میں نہ رکھیں۔ آپ کریم ہیں' درِ کریم پر آیا ہوں' بصد عجز و نیاز آیا ہوں' بصد امید آیا ہوں' اگر آپ دامنِ عفو میں پناہ نہ دیں تو کہاں جاؤں' کیا کروں"۔

اے دوست ! صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرو' تو ایک خطا کار' عاجز' ذلیل' مسکین و درماندہ غلام کی طرح جو بادشاہی محل کے صحن میں چکر لگائے۔ کبھی خلوص کا اظہار کرو شاید کہ بادشاہ نظرِ رحمت سے سرفراز کرے' کبھی اندیشے سے غم ناک ہو کہ نہ معلوم بادشاہ قبول کرے یا نہ کرے اور میرے بارے میں کیا حکم کرے۔ بار بار آؤ اور جاؤ کہ اوّل دفعہ میں رحم نہ کرے' تو دوسری دفعہ میں کر دے۔ یہ بھی خیال کرو کہ میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان بھی اسی طرح پھرنا ہوگا' ایک پلڑے میں نیکیاں اور دوسرے میں خطائیں ہوں گی۔ نہ معلوم کون سا جھک جائے' اسی امید و بیم میں صفا اور مروہ کے درمیان چلتے رہو۔

اے دوست ! عرفات کے میدان میں قدم رکھو تو میدانِ قیامت کا منظر یاد کرو۔ یہاں ' لوگوں کا اژدہام' آوازوں کا بلند ہونا' زبانوں کا اختلاف' رنگوں کا اختلاف۔ وہاں ' قیامت کے دن اوّل و آخر سب جمع ہوں گے' سب سے پوچھ گچھ ہوگی' سب کے چہروں کے رنگ مختلف ہوں گے' سب اپنے اپنے اعمال کے مطابق گروہوں میں منقسم ہو جائیں گے۔ یاد رکھو یہ وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ ان رحمتوں کو ان صالحین کے قلوب جذب کر لیتے ہیں جو ایک وقت میں ایک جگہ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدہ ریز ہوتے ہیں' ذلت و مسکنت کے ساتھ گڑگڑاتے ہیں' اس کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ رحمتِ الٰہی کے نزول کے لیے کوئی طریقہ

اس کے برابر نہیں کہ صالحین کی ہمتیں مجتمع ہوجائیں، اور ایک وقت میں ایک زمین پر صالحین کے قلوب ایک دوسرے کی مدد کریں۔ یہ گمان نہ کرنا کہ ان کی امیدیں پوری نہ ہوں گی، یہ محروم رہیں گے اور ان کی کوششیں بے کار جائیں گی۔ نہیں، ان پر وہ رحمت نازل ہوگی جو سب کو ڈھانپ لے گی۔ یہ وہ مقام ہے کہ قبولیت کی امید کامل ہی قبولیت کی نشانی ہے۔ بس ٹوٹ کر گریہ و زاری کرو، اور حق تعالیٰ سے مانگو۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ تَسْمَعُ کَلَامِیْ وَتَرٰی مَکَانِیْ وَ تَعْلَمُ سِرِّیْ وَ عَلَانِیَتِیْ وَلَا یَخْفٰی عَلَیْکَ شَیْءٌ مِّنْ اَمْرِیْ وَاَنَا الْبَآئِسُ الْفَقِیْرُ وَالْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ وَالْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِہٖ اِلَیْکَ اَسْاَلُکَ مَسْاَلَۃَ الْمِسْکِیْنِ وَ اَبْتَہِلُ اِلَیْکَ اِبْتِہَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِیْلِ وَاَدْعُوْکَ دُعَآءَ الْخَآئِفِ الضَّرِیْرِ وَدُعَآءَ مَنْ خَضَعَتْ لَکَ رَقَبَتُہٗ وَ فَاضَتْ لَکَ عَبْرَتُہٗ وَ ذَلَّ لَکَ جِسْمُہٗ وَ رَغِمَ لَکَ اَنْفُہٗ، رَبِّ لَا تَجْعَلْنِیْ بِدُعَآئِکَ شَقِیًّا وَّکُنْ بِیْ رَءُوْفًا رَّحِیْمًا، یَا خَیْرَ الْمَسْئُوْلِیْنَ، یَا خَیْرَ الْمُعْطِیْنَ،

اے اللہ! آپ میری بات سنتے ہیں، میرا مقام دیکھتے ہیں، میرے کھلے چھپے سب کو جانتے ہیں، میرا کوئی حال، کوئی معاملہ، کوئی ضرورت آپ سے پوشیدہ نہیں۔ میں انتہائی مصیبت زدہ اور بالکل فقیر ہوں، میں آپ سے فریاد کرتا ہوں اور پناہ طلب کرتا ہوں، کانپتا ہوں اور ڈرتا ہوں، آپ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کا اقرار اور اعتراف کرتا ہوں۔ میرا سوال ایک مسکین کا سوال ہے، گڑگڑا رہا ہوں کہ سخت ذلیل گناہگار ہوں، آپ کو پکار رہا ہوں کہ ڈر کا مارا اور نقصان زدہ ہوں۔ میری گردن آپ کے آگے جھکی ہوئی ہے، جسم آپ کے سامنے ذلیل و رسوا ہے، ناک آپ کے سامنے خاک آلود ہے، اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ ایسا نہ کیجیے کہ آپ سے مانگنے کے بعد میں بدبخت رہوں، مجھ کو اپنی رحمت و شفقت سے ڈھانپ لیجیے۔ اے سب سے بہتر جس سے مانگنے والا مانگے، اے سب سے بہتر عطا کرنے والے!

اِلٰہِیْ تَجَنَّبْتُ عَنْ طَاعَتِکَ عَمْدًا وَ تَوَجَّہْتُ اِلٰی مَعْصِیَتِکَ قَصْدًا فَسُبْحَانَکَ مَا اَعْظَمَ حُجَّتَکَ عَلَیَّ وَمَا اَکْرَمَ عَفْوَکَ عَنِّیْ، فَبِوُجُوْبِ حُجَّتِکَ عَلَیَّ وَ انْقِطَاعِ حُجَّتِیْ عَنْکَ وَ فَقْرِیْ اِلَیْکَ وَ غِنَاکَ عَنِّیْ اِلَّا غَفَرْتَ لِیْ! یَا خَیْرَ مَنْ دَعَاہُ دَاعٍ وَ اَفْضَلَ مَنْ رَجَاہُ رَاجٍ، بِحُرْمَۃِ الْاِسْلَامِ وَ بِذِمَّۃِ مُحَمَّدٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ فَاغْفِرْلِیْ جَمِیْعَ ذُنُوْبِیْ وَ اصْرِفْنِیْ عَنْ مَوْقِفِیْ ہٰذَا مَقْضِیَّ الْحَوَآئِجِ وَھَبْ لِیْ

مسئلتک وحقق رجائی فیما تمنیت !!

میرے اللہ ! میں نے جانتے بوجھتے آپ کی اطاعت سے روگردانی کی' اور نافرمانیاں کرتا رہا۔ آپ پاک ہیں۔ آپ کی حجت تو میرے خلاف بہت بڑی ہے' مگر آپ کا مجھے معاف کرنا کتنا بڑا کرم ہے۔ پس اس حال میں کہ آپ کی حجت میرے خلاف ثابت ہے اور میرے پاس آپ کے سامنے کوئی حجت نہیں' میں سراسر آپ کا محتاج ہوں اور آپ مجھ سے بے نیاز' آپ مجھے معاف ہی فرما دیجیے۔ اے سب سے بہتر جس سے مانگنے والا مانگے اور سب سے افضل جس سے امید باندھنے والا امید باندھے' اسلام کی حرمت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ تیرے سامنے پیش کرتا ہوں۔ میرے سارے گناہ بخش دیجیے' اور میری ساری حاجتیں پوری کر کے مجھے اس موقف سے واپس بھیجیے' جو کچھ میں نے مانگا ہے مجھے دے دیجیے اور جس چیز کی تمنا کی ہے اس میں میری توقع پوری کیجیے۔

"الٰہی من مدح لک نفسہ فانی لائم نفسی ! الٰہی اخرست المعاصی لسانی فما لی وسیلۃ من عملی ولا شفیع سوی الامل ! الٰہی انی اعلم ان ذنوبی لم تبق لی عندک جاھاً ولا للاعتذار وجھاً ولکنک اکرم الاکرمین ! الٰہی ان لم اکن اھلاً ان ابلغ رحمتک فان رحمتک اھل ان تبلغنی ورحمتک وسعت کل شیء وانا شیء ! الٰہی ان ذنوبی وان کانت عظاما ولکنھا صغار فی جنب عفوک فاغفرھا لی یا کریم !"

میرے اللہ ! کوئی تیرے سامنے اپنی تعریف کیا کرے' میں تو اپنے کو ملامت کرتا ہوں۔ الٰہی' گناہوں نے میری زبان گونگی کر دی' میرے پاس اپنے عمل کا وسیلہ بھی نہیں' امید کے سوا اور کوئی سفارش کرنے والا نہیں ! الٰہی' مجھے معلوم ہے کہ میرے گناہوں نے تیرے نزدیک میری کچھ قدر باقی نہ رکھی' نہ میرا منہ ہے کہ کوئی عذر پیش کروں' لیکن تو تمام کرم کرنے والوں سے زیادہ کریم ہے ! الٰہی' اگرچہ میں اس قابل نہیں کہ تیری رحمت تک پہنچوں' مگر تیری رحمت کے تو شایان ہے کہ مجھ تک پہنچے ! الٰہی تیری رحمت ہر چیز کو شامل ہے' اور میں بھی ایک چیز ہوں ! الٰہی' اگرچہ میرے گناہ بہت بڑے ہیں' لیکن تیرے عفو کے مقابل میں تو بہت چھوٹے ہیں ! میرے گناہوں سے درگزر کر' اے کریم !

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ اَنْتَ وَ اَنَا اَنَا ، وَاَنَا الْعَوَّا دُ اِلَی الذُّنُوبِ وَ اَنْتَ اِلَی الْمَغْفِرَۃِ ۔ اِنْ کُنْتَ لَا تَرْحَمُ اِلَّا اَھْلَ طَاعَتِکَ فَاِلٰی مَنْ یَفْزَعُ الْمُذْنِبُوْنَ

اے اللہ ، تو ، تو ہے ، اور میں ، میں ۔ میں بار بار گناہوں کی طرف پلٹتا ہوں ، تو بار بار مغفرت کی طرف ۔ میرے اللہ ، اگر تو اپنے اطاعت کرنے والوں ہی پر رحم کرے ، تو گناہگار کس کی طرف جائیں گے ۔

اے دوست ! کنکریاں مارنے میں نہ تو نفس کو کوئی مزہ ہے نہ عقل کو۔ اپنے نفس کو اور اپنی عقل کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سرنگوں کرو۔ غلامی اور بندگی میں نفس و عقل کے لیے لذت بس تعمیلِ ارشاد میں ہوتی ہے۔ تعمیلِ ارشاد ہی سے دل میں اللہ کی یاد قائم ہوتی ہے۔ اقامتِ ذکر اللہ ہی کے لیے طواف ہے، سعی ہے، رمی جمار ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی بروایت عائشہؓ)

قربانی بھی اطاعت امر کا اظہار ہے، اسی لیے باعثِ تقرب ہے۔ اللہ سے امید رکھو کہ قربانی کے ہر جز کے بدلے تمھارے ہر جز کو آگ سے آزاد کرے گا۔

پس اے دوست ! سنو حج کے ہر قدم پر سفرِ آخرت کو یاد کرو ، اور اس سفر کے لیے زادِ راہ جمع کرو ، تاکہ کل تم ربِ کعبہ کے انعامات سے سرفراز ہو ، اور اس کی زیارت سے شاد کام !

(احیاء العلوم، جلد اوّل سے ماخوذ: خرم مراد)

بقیہ : حکمت مودودیؒ

خاص اس غرض سے منعقد کرتا رہا ہوں کہ اس میں سارے کام اور نظام کا پورا تنقیدی جائزہ لیا جائے ۔ ایسے اجتماعات میں سب سے پہلے میں خود اپنے آپ کو تنقید کے لیے پیش کرتا ہوں۔ تاکہ جس کو مجھ پر یا میرے کام پر کوئی اعتراض ہو وہ اسے سب کے سامنے بے تکلف پیش کرے اور اس کی تنقید سے یا تو میری اصلاح ہوجائے ، یا میرے جواب سے اس کی اور اس کی طرح سوچنے والے دوسرے لوگوں کی غلط فہمی رفع ہوجائے ۔

شیخ علی متقی جون پوریؒ

(صاحب کنز العمال)

(پہلی قسط)

عبدالرشید عراقی

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی شمع روشن کرنے، توحید و سنت کی ترقی اور ترویج اور شرک و بدعت کی تردید و توبیخ میں جن اصحابِ علم نے نمایاں کردار ادا کیا ہے، ان میں حضرت شیخ علی متقی جون پوری رحمتہ اللہ علیہ کا نام نامی بھی آتا ہے۔

ولادت و وطن

شیخ علی متقی بن حسام الدین ۸۸۵ھ / ۱۴۸۰ء میں جون پور میں پیدا ہوئے۔ ان کا ابتدائی دور جون پور میں گزرا۔ ان کے والد ماجد صوفی مشرب تھے۔ انہوں نے ان کو طفولیت ہی میں شیخ باجن رحمتہ اللہ کی بیعت میں منسلک کر دیا۔

علامہ سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۳ء) لکھتے ہیں:

"شیخ علی متقی (۸۸۵ھ / ۱۴۸۰ء) میں پیدا ہوئے اور وہیں شیخ باجن برہان پوری کی بچپن میں بیعت کی۔ جوانی میں ملتان جاکر شیخ حسام الدین متقی سے علم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی۔ ایک عجیب اتفاق یہ ہے کہ شیخ کے جسمانی باپ (والد) کا نام بھی حسام الدین تھا۔ اور روحانی باپ (استاد و مرشد) کا نام بھی حسام الدین تھا۔ ۲۔

اساتذہ

شیخ علی متقی کے اساتذہ میں درج ذیل بزرگان دین اور ائمہ کرام کے نام ملتے ہیں۔

شیخ حسام الدین متقیؒ

شیخ ابو الحسن بکری شافعیؒ

شیخ شہاب الدین احمد بن حجر ہیثمی (صواعق محرقہ کے مصنف)

شیخ شہاب الدین احمد بن حجر سے شیخ علی متقی نے پہلے کسب فیض کیا۔ مگر بعد میں شیخ ابن حجر خود شیخ علی متقی کے حلقہ تلمذ میں داخل ہو گئے۔

مولانا آزاد بلگرامی لکھتے ہیں۔

"شیخ ابن حجر مکی مفتی حرم محترم' صاحب صواعق محرقہ' در ابتداء حال استاد شیخ بود آخر خود را تلمیذی خواند و رسم ارادت بجا آورد و خلافت پوشید"۳۔

شیخ ابن حجر مکی مفتی حرم و صاحب صواعق محرقہ ابتداء میں شیخ کے استاد تھے۔ مگر آخر میں وہ اپنے کو ان کا شاگرد کہنے لگے نیز ارادت کی رسم بھی بجا لائے اور شیخ سے خرقہ خلافت بھی لیا۔

تلامذہ

شیخ علی متقی کے تلامذہ اور ارادت مندوں کا حلقہ وسیع تھا۔ تذکرہ نگاروں نے صرف چند مشہور تلامذہ کا تذکرہ کیا ہے۔

شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی مفتی حرم

شیخ عبدالوہاب متقی" (م ۱۰۰۱ھ / ۱۵۹۳ء)

شیخ محمد بن طاہر پٹنی" (م ۹۸۶ھ / ۱۵۷۸ء)

رحلت و سفر

شیخ علی متقی نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن جون پور میں حاصل کی' بعد ازاں ملتان جا کر شیخ حسام الدین متقی سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ اور مکہ معظمہ میں آپ نے حجاز کے مشہور و معروف اساتذہ سے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی۔

علامہ سید سلیمان ندوی" لکھتے ہیں:

"شیخ علی متقی نے عرب پہنچ کر حجاز کے مشہور و معروف اساتذہ اور شیوخ سے چند سال علم ظاہری و باطنی کی تحصیل کی۔ شیخ نے چند ہی سال میں اپنی فطری استعداد اور روحانی ذوق اور ربانی توفیق سے یہ مرتبہ حاصل کر لیا کہ استاد شاگرد اور شاگرد استاد کے مرتبہ میں آگئے"۵۔

شیخ علی متقی کب مکہ معظمہ تشریف لے گئے

تذکرہ نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ شیخ علی متقی ۹۵۳ھ/۱۵۴۶ء میں مکہ معظمہ تشریف لے

مولانا آزاد بلگرامی لکھتے ہیں۔

آنجناب در ۹۵۳ھ بہ صوب حرمین شریفین خرامید و در مکہ معظمہ رحل اقامت افگند۶۔

"شیخ علی متقی ۹۵۳ھ میں حرمین شریفین تشریف لے گئے اور مکہ معظمہ میں مستقل اقامت گزین ہو گئے۔"

علامہ سید سلیمان ندوی" لکھتے ہیں۔

"۹۵۳ھ میں دیار عرب کی طرف لنگر اٹھایا اس وقت عمر ۶۷ برس کی تھی"۷۔

مگر شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ م / ۹۷۳ھ / ۱۵۶۵ء لکھتے ہیں۔

نزیل مکہ اجتمعت بہ فیھا سنتہ سبع و اربعین وتسع مائتہ۸۔

"شیخ علی متقی مکہ میں بودو باش اختیار کیے ہوئے تھے میں نے وہاں ان سے ۹۴۷ھ میں ملاقات کی تھی"

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی" (م ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء) لکھتے ہیں۔

کہ شیخ عبدالوہاب شعرانی مصری فرماتے ہیں:

"کہ شیخ علی ہندی نزیل مکہ مشرفہ ہیں۔ ان سے میں ۹۴۷ھ میں مکہ شریف میں ملا۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ اور آپ میرے ہاں تشریف لاتے تھے"۹۔

مجلس درس و افادہ

شیخ علی متقی انہی علوم کے فاضل و ماہر تھے۔ اور سلوک و تصوف میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ ان کا بیشتر وقت علم کی اشاعت اور افادہ و فیضان میں بسر ہوتا تھا۔ ان کے شاگرد شیخ عبدالوہاب متقی" (م ۱۰۰۱ھ / ۱۵۹۳ء) فرماتے ہیں:

غالب اوقات ایشاں بہ نشر و افادہ علم۱۰۔

ان کا زیادہ وقت علم کی نشرو اشاعت اور دوسروں کو علمی فایدہ پہنچانے میں صرف ہوتا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی" (م ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) لکھتے ہیں۔

وبآثار افاضت علوم دینی و افاضت معارف یقینی مستنیرو مستفید ساختہ۔

"انہوں نے دینی علوم اور یقین و معرفت سے (ایک عالم کو) منور کیا اور فیضیاب کیا"۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی" نے بھی ان کے قیام مکہ معظمہ میں مجلس علمی اور طالبین کا ان سے

استفادہ کا تذکرہ طبقات الکبریٰ میں کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

"میں نے شیخ علی متقی کی مجلس میں دیکھا کہ بعض لوگ ذکر الٰہی میں مصروف ہیں۔ بعض قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں۔ بعض لوگ مراقبے میں ہیں۔ اور بعض لوگ مطالعہ میں مصروف ہیں۔ اور میں نے اس سے بہتر اور اچھا منظر، مکہ معظمہ میں اس سے پہلے نہیں دیکھا۔"[۱۲]

علم حدیث سے شغف

شیخ علی متقی کو علم حدیث سے بہت شغف تھا۔ آپ ایک بلند پایہ محدث تھے۔ تذکرہ نگاروں نے علم حدیث سے آپ کے شغف کا تذکرہ کیا ہے۔ اور اس فن میں آپ کے علمی تبحر کا اعتراف کیا ہے۔

علم حدیث میں آپ کے علمی تبحر اور شغف کی وجہ سے علمائے کرام نے آپ کو المحدث کے لقب سے یاد کیا۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی" حدیث سے آپ کے شغف کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وہ سنن و احادیث نبوی کے تتبع میں آخر عمر تک مشغول رہے۔ ایام پیری میں جب کہ بتقاضائے عمر جنبش کرنا بھی ممکن نہیں ہوتا، وہ شب و روز کتب حدیث کی تصحیح اور مقابلہ کے کام میں منہمک رہتے تھے۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ دقائق کے فہم و معرفت اور معانی و نکات کے استنباط و استخراج میں ایسے بلند درجہ پر فائز تھے کہ ماہرین اور علمائے فن بھی حیرت و تحسین ظاہر کیے بغیر نہیں رہتے تھے۔ شیخ ابن حجر مکی جو اپنے زمانے میں مکہ معظمہ کے بڑے فقہا و علماء میں شمار کیے جاتے تھے اور ابتداء میں شیخ علی متقی کے استاد بھی تھے، اگر کسی حدیث کے مفہوم میں تردد و تامل ہوتا تو شیخ کے یہاں کہلا بھیجتے کہ جمع الجوامع کی تبویب میں اس حدیث کو کس باب میں رکھا ہے تاکہ اس کی نشاندہی کے بعد قرینہ و قیاس سے اس حدیث کا مطلب اخذ کرنے میں آسانی ہو"[۱۳]۔

علم و فضل

شیخ علی متقی کے علم و فضل، اور علمی تبحر کا تذکرہ نگاروں نے اعتراف کیا ہے۔

مولانا آزاد بلگرامی" لکھتے ہیں:

"مکہ معظمہ کے عوام و خواص ان کے غیر معمولی فضل و کمال کے معترف تھے"۔ ۱۴؎

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :

"ان کے دور کے تمام اکابر و مشائخ کو ان کے فضل و کمال کا اعتراف تھا"۔ ۱۵؎

شیخ علی متقی بڑے زاہد، متورع، متقی اور عبادت گزار تھے۔ عبادت، ریاضت اور مجاہدہ سے انہیں خاص شغف تھا۔ ورع، تقویٰ، طہارت و عفت ان کے مزاج میں داخل تھی۔ شیخ عبدالواب شعرانیؒ نے انہیں صاحب ورع اور زاہد لکھا ہے ۱۶؎۔ علامہ آزاد بلگرامی نے ان کی کثرت ریاضت و عبادت اور تقویٰ و طہارت کا تذکرہ کیا ہے ۱۷؎۔

شیخ علی متقی کم سخن تھے۔ فضول اور لایعنی باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔ زیادہ وقت ذکر و تسبیح میں گزارتے۔ ۱۸؎

شیخ علی متقی کی سیرت و کردار

شیخ علی متقی کی پوری زندگی اتباع سنت میں بسر ہوئی۔ ان کا رہنا سہنا، سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا ہر چیز اتباع سنت کا نمونہ تھی۔ اس کے ساتھ آپ پوری زندگی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ سے غافل نہ رہے۔ جب بھی کوئی غیر شرعی فعل و عمل دیکھتے تو فوراً امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے۔

طبیعت میں سخاوت اور فیاضی تھی۔ طبیعت بہت سادہ تھی۔ سادگی کی بنا پر رزق کے معاملہ میں بڑے متوکل اور اللہ کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے:

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ اللہ وہاں سے روزی دیتا ہے جہاں سے بندے کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

اکل حلال کو ہمیشہ مد نظر رکھا ان کے شاگرد عبدالوہاب متقی کا بیان ہے کہ شیخ فرمایا کرتے تھے:

"جو چیز کسب حلال سے حاصل ہوتی ہے وہ کبھی ضائع نہیں ہوتی یہ اگر کم بھی ہو جاتی ہے تو بالآخر مل جاتی ہے"۔

اپنا کام خود کرتے اور کسی دوسرے آدمی سے کام کراتے تو اس کو اجرت دیتے۔ ملازموں سے اچھا برتاؤ کرتے اور ان کی غلطی اور کج روی کو نظرانداز کرتے۔

اپنے گوناگوں اوصاف و محامد، پاکیزہ زندگی، عمدہ سیرت، علمی کمالات، اور تصوف و احسان میں بلند درجہ و مرتبہ کی وجہ سے شیخ علی متقی کو چار دانگ عالم میں بڑی شہرت و مقبولیت حاصل

ہوئی ۱۹۔

امراء و سلاطین سے تعلقات

شیخ علی متقی سے امراء و سلاطین کے تعلقات تھے اور ان کی بہت قدرو عزت کرتے تھے۔ مگر آپ نے کبھی ان سے کسی قسم کا ہدیہ اور روپیہ وصول نہ کیا بلکہ ان کو ہمیشہ امربالمعروف و نہی عن المنکر کے تحت نیکی کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے۔ دین و شریعت کے معاملہ میں کسی قسم کی مداہنت کے قائل نہ تھے۔ ۲۰۔

وفات:

۲ جمادی الاولی ۹۷۵ھ/۴ نومبر ۱۵۶۷ء ۹۵ سال کی عمر میں مکہ معظمہ میں انتقال کیا۔ ۲۱۔

۱۔ اخبار الاخیار ص ۲۴۱
۲۔ مقالات سلیمان ج ۲ ص ۱۶
۳۔ مآثر الکرام ج ۱ ص ۱۹۳
۴۔ مقالات سلیمان ج ۲ ص ۱۷، ۱۸
۵۔ مقالات سلیمان ج ۲ ص ۱۶، ۱۷
۶۔ مآثر الکرام ج ۱ ص ۱۹۳
۷۔ مقالات سلیمان ج ۲ ص ۱۶
۸۔ الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۲۷
۹۔ تاریخ اہلحدیث ص ۳۸۶
۱۰۔ اخبار الاخیار ص ۲۴۵
۱۱۔ اخبار الاخیار ص ۲۴۲
۱۲۔ الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۶۷
۱۳۔ اخبار الاخیار ص ۲۴۲
۱۴۔ مآثر الکرام ج ۱ ص ۱۹۳
۱۵۔ اخبار الاخیار ص ۲۴۲
۱۶۔ الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۶۷
۱۷۔ مآثر الکرام ج ۱ ص ۱۹۳
۱۸۔ الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۶۷
۱۹۔ اخبار الاخیار ص ۲۴۴
۲۰۔ ایضاً ص ۲۴۶
۲۱۔ مقالات سلیمان ج ۲ ص ۱۷

بقیہ: نفاذ شریعت پر اعتراضات

ہم نے اس تجزیہ کے آغاز میں شریعت ایکٹ کے متن میں خوبیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کی، جس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس میں انتہائی سنگین خامیاں پائی جاتی ہیں جو کسی طرح قابل قبول نہیں۔ اس کے بعد ہم نے تفصیل کے ساتھ نفاذ شریعت کے اب تک کے اقدامات کے پس منظر، اس کے جلو میں ابھرنے والی بحثوں اور نفاذ شریعت اور قرآن و سنت کی بالا دستی کے خلاف اعتراضات کا جائزہ لیا ہے، اور اپنی گزارشات پیش کر دی ہیں۔

نفاذِ شریعت پر اعتراضات
ــــ ایک علمی محاکمہ ــــ

پروفیسر خورشید احمد

(آخری قسط)

اسلام، قائداعظم اور تھیوکریسی

اس سلسلہ کی آخری بات کا تعلق تھیوکریسی سے ہے۔ اصطلاحات کے لیبل لگا کر بحث کرنا استدلال اور موقف کی کمزوری کی علامت ہوتا ہے۔ بلاشبہ قائداعظم نے یہ بات کہی کہ پاکستان تھیوکریسی نہیں ہو گا۔ لیکن یہی بات باقی تمام مسلمان اہلِ علم و فکر بھی کہتے ہیں۔ اور اس سے اسلامی ریاست کی نفی لازم نہیں آتی۔ اس لیے کہ اسلام میں تھیوکریسی کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔ تھیوکریسی نام ہے پاپائیت پر مبنی ریاست کا۔ یہ وہ نظامِ حکومت ہے جس میں حکمرانی کا اختیار مذہبی پروہتوں کو حاصل ہوتا ہے جو خدا کے نمائندے کے طور پر حکمرانی کرتے ہیں۔ رواسٹون پائنک "مذہب اور مذہب کی قاموس" میں اس کی یہ تعریف کرتا ہے:

> "حکومت کی ایک ایسی قسم جس میں اقتدارِ اعلیٰ کا مرکز خدا یا خداؤں یا کسی اور کتابی قوت کو سمجھا جائے اور حقیقی حکمراں پادری یا مذہبی پروہت ہوں جن کے قوانین کو احکام خداوندی سمجھا جائے۔"

(E. Royston Pike, Encyclopaedia of Religion and Religious, Meridion, Library, 1958. p 347)

تاریخی حیثیت سے اس کی مثالیں یہودیوں، عیسائیوں اور برہمنوں وغیرہ میں ملتی ہیں۔
اسلامی ریاست خدا کی حاکمیتِ اعلیٰ پر مبنی ہے، لیکن یہ تھیوکریسی سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ وجوہِ اختلاف مختصراً یہ ہیں:

(۱) تھیوکریسی میں حاکمیت کے عملی اختیارات ایک مخصوص مذہبی طبقے کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں جو سیاہ و سفید کا مالک ہوتا ہے' جس کی رائے قانون ہوتی ہے' جس پر کوئی تنقید نہیں کر سکتا' جو خدا کے نام پر سارے اختیارات بلا روک ٹوک استعمال کرتا ہے اور کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتا۔ اسلام میں ایسے کسی مستقل طبقے کا کوئی وجود نہیں۔ بندے اور خدا کے تعلق کو استوار کرنے کے لیے یہاں پروہتوں کے کسی واسطہ اور ذریعہ کی ضرورت نہیں۔ اسلام کی تعلیمات نہ صرف ہر مسلمان کے لیے ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہیں بلکہ ان سے واقفیت ہر مسلمان کا فرض بھی ہے۔ سیاست میں بھی نظامِ حکومت چلانے والے خود عوام کے معتمد علیہ ہوتے ہیں اور خدا اور اُمت دونوں کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں' ہر فرد اعلیٰ ترین مقام تک ترقی کرنے کا موقع رکھتا ہے البتہ اسلامی ریاست کے اصحابِ امر کے لیے اگر کوئی شرط ہے تو وہ علم اور تقویٰ کی ہے اور ان کے حصول کے دروازے سب کے لیے کھلے ہیں۔ نیز کوئی بھی تنقید و احتساب سے بالا نہیں' حتیٰ کہ امیرالمومنین بھی قانون اور عدالت کے سامنے اتنا ہی جواب دہ ہے جتنا ایک عام شہری۔

(۲) اسلامی تاریخ میں ہمیں کبھی اس قسم کی پاپائیت نظر نہیں آتی جیسی یورپ یا ہندوستان' جاپان اور تبت میں ملتی ہے۔ ہمارے یہاں علماء ہمیشہ حق کے علمبردار اور آزادی کے محافظ کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔ وہ خود ظلم و ستم اور استبداد کا نشانہ بنے ہیں' ان کا ذریعہ نہیں۔ آزادی کی جدوجہد کے سرخیل علماء رہے ہیں اور عالم بننے کا راستہ ہر شخص کے لیے کھلا رکھا ہے۔ نیز عام سیاسی تاریخ میں بھی کوئی مثال نہیں ملتی کہ حکومت یورپ کے "مذہبی دیوانوں" کی طرح عوام کو نشانہء ستم بناتی ہو۔ اس کا اعتراف خود مغربی مورخین کرتے ہیں کہ مذہبی حکومت کے سلسلے میں یورپ کا تجربہ اور عالمِ اسلامی کا تجربہ ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہے۔ رابرٹ بریفالٹ اپنی شہرہ آفاق کتاب "انسانیت کی تشکیل" میں لکھتا ہے:

> "مشرق (مراد ہے عالم اسلام) میں تھیوکریسی کبھی بھی ذہنی استبداد کا موجب نہیں بنی۔ ہم یہاں ظلمت پسندی' خیالات پر قدغن' اور علم پر پابندی کی کوئی ایسی مثال نہیں پاتے جس کے لیے مغربی دنیا یونان اور روم سمیت مشہور ہے۔"

(Robert Briffault, The Making of Humanity, p - 113.)

(۳) دوسرے مذاہب اور تہذیبوں میں تھیوکریسی میں نام تو خدا کی حاکمیت کا تھا' لیکن چونکہ ان کے پاس زندگی کے ہمہ جہتی مسائل کے لیے کوئی واضح الہامی ہدایت موجود نہ تھی اس لیے

پادریوں اور پروہتوں نے خدا کے حکم کے نام پر اپنی اپنی مرضی مسلط کی اور خدا کے قانون کی بجائے اپنا قانون چلایا۔ یہ قانون ان تمام کمزوریوں اور خامیوں سے آلودہ تھا جن سے انسانی قانون، خصوصیت سے جب وہ ایک طبقے کے مفاد کا محافظ بھی ہو، ہوا کرتا ہے۔ ایسے نظام میں ہمیشہ مذہبی طبقے کو تنقید سے بالاقرار دیا گیا تا کہ اس کی ہر بات بے چون و چرا تسلیم کرلی جائے خواہ وہ کتنی ہی غلط کیوں نہ ہو۔

اسلام کا سیاسی نظام اس نظام سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں واضح الہامی ہدایت موجود ہے جو اپنی اصل شکل میں محفوظ ہے، اور جس میں ایک شوشے کا تغیر بھی واقع نہیں ہوا ہے اور نہیں کیا جا سکتا۔ اولی الامر سے اختلاف کی پوری پوری گنجائش ہے، بلکہ ان پر تنقید اور محاسبہ فرض کیے گئے ہیں، تاکہ وہ راہِ صواب سے نہ ہٹیں۔ ہر شخص کو اپنی دلیل خدا کے کلام سے لانی ہے جو کسی کا اجارہ نہیں اور جس تک ہر شخص کی رسائی ہے۔ ضرورت صرف علم کی ہے۔ یہ چیز اسلامی نظام کو تھیوکریسی سے بالکل مختلف کر دیتی ہے۔

(۴) تھیوکریسی اور اسلام کے مزاج میں ایک اور بھی بڑا لطیف لیکن بے حد اہم فرق پایا جاتا ہے۔ تھیوکریسی کا ایک بنیادی تصور یہ رہا ہے کہ دنیا ایک بری چیز ہے، اس کی زندگی ہمیں گناہ کی پاداش میں اختیار کرنی پڑی ہے، اس کی حیثیت ایک "دارالعذاب" کی سی ہے، اور تمام انسانوں کو اس سزا کو برداشت کرنا چاہیے۔ اس تصور کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ریاست کی اصلاح اور درستگی اور اس کے مظالم کے خلاف آواز بلند کرنا یا جدوجہد کرنا ایک غیر مطلوب شے بن جاتے ہیں اور انسان "تسلیم و رضا" کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ اسلام کا نقطۂ نظر بالکل مختلف ہے۔ انسان خدا کا خلیفہ بنایا گیا ہے۔ زندگی کی نعمتیں اس کے لیے فراہم کی گئی ہیں، اور ریاست کا مقصد زندگی کو نیکیوں اور اچھائیوں سے بھرنا اور برائیوں اور ظلم کے خلاف جہاد کرنا ہے، تاکہ ایک فلاحی معاشرہ قائم ہو سکے۔ اس طرح جو نفسیاتی رویہ اسلامی معاشرہ میں کارفرما ہے اس کی موجودگی میں تھیوکریسی کے پنپنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تھیوکریسی کی بالکل ضد ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبالؒ سے لے کر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور علامہ محمد اسد (Leopold weis) تک سب یک زبان ہیں کہ اسلامی حکومت اللہ کی حاکمیت اور شریعت کی بالادستی پر مبنی ریاست ہے اور اسے تھیوکریسی سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے خطبات میں صاف الفاظ میں فرمایا کہ:

"اسلامی نقطۂ نظر سے ریاست نام ہے زمان و مکان کی قوتوں میں ان مثالی اصولوں کو

سمو دینے اور ایک متعین انسانی نظم میں ان کو ڈھال دینے کا (جو توحید کا تقاضا ہیں)۔ صرف اور صرف اس مفہوم میں اسلامی ریاست ایک تھیوکریسی ہے' نہ کہ اس معنی میں کہ اس کی باگیں خدا کے کسی نمائندہ کے ہاتھوں میں ہوں جو منزہ عن الخطاء ہونے کے پردے میں آمریت کا نظام قائم کر سکے۔ اسلام پر تنقید کرنے والوں نے اس بنیادی اور اہم بات کو نظر انداز کر دیا ہے۔"

(Reconstruction of Religious Thought in Islam, P. 154-155)

علامہ محمد اسد کہتے ہیں کہ

"آیا اسلام کا مقصد حکومتِ الٰہیہ (Theocracy) قائم کرنا ہے؟ اگر حکومتِ الٰہیہ سے مراد ایسا عمرانی نظام ہے جس میں تمام قوانین اس سرچشمہ سے نکلیں جسے قوم الٰہی قانون مانتی ہے تو جواب اثبات میں ہوگا' لیکن اگر حکومتِ الٰہیہ کو اس سعی و کوشش کے مترادف بنایا جائے' جو قرونِ وسطیٰ کے یورپ کی تاریخ کے ذریعہ سے روشناسِ عوام ہوئی' یعنی پادریوں کے نظام کو برتر و اعلیٰ سیاسی قوت سونپ دینا' تو جواب قطعی طور پر نفی میں ہوگا۔ وجہ صرف یہ کہ اسلام میں پادریوں جیسا کوئی نظام موجود ہی نہیں اور نہ کوئی ایسا ادارہ ہے جسے مسیحی کلیسا کا مترادف سمجھا جائے۔"

(اسلامی مملکت و حکومت کے بنیادی اصول ۔ صفحہ ۴۲)

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بھی اس مسئلہ پر کئی جگہ بحث کی ہے۔ صرف ایک اقتباس پیشِ خدمت ہے جس سے خود علماء کی پوزیشن سامنے آجاتی ہے۔

"اسلامی ریاست' جس کا قیام اور فروغ ہمارا نصب العین ہے' نہ تو مغربی اصطلاح کے مطابق مذہبی حکومت (Theocracy) ہے اور نہ جمہوری حکومت (Democracy) بلکہ وہ ان دونوں کے درمیان ایک الگ نوعیت کا نظامِ سیاست و تمدن ہے۔ جو ذہنی الجھنیں آج کل مغربی تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہن میں "اسلامی ریاست" کے تصوّر کے متعلق پائی جاتی ہیں وہ دراصل ان مغربی اصطلاحات کے استعمال سے پیدا ہوتی ہیں جو لازماً اپنے ساتھ مغربی تصوّرات' اور اپنے پیچھے مغرب کی تاریخ کا ایک پورا سلسلہ بھی ان کے ذہن کے سامنے لے آتی ہیں۔ مغربی اصطلاح میں مذہبی حکومت (Theocracy) دو بنیادی تصوّرات کا مجموعہ ہے:

(۱) خدا کی بادشاہی قانونی حاکمیت (Legal Sovereignty) کے معنی ہیں اور

(۲) پادریوں اور مذہبی پیشواؤں کا ایک طبقہ جو خدا کا نمائندہ اور ترجمان بن کر خدا کی بادشاہی کو قانونی اور سیاسی حیثیت سے عملاً نافذ کرے۔

ان دو تصوّرات پر ایک تیسرے امرِواقعی کا بھی وہاں اضافہ ہوا ہے' اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انجیل کی اخلاقی تعلیمات کے سوا کوئی قانونی ہدایت نامہ چھوڑ کر نہیں گئے' اور سینٹ پال نے شریعت کو لعنت قرار دے کر عیسائیوں کو احکام توراۃ کی پابندی سے آزاد کردیا۔ اب اپنی عبادت ' معاشرت' معاملات اور سیاست وغیرہ کے لیے عیسائیوں کو قوانین و احکام کی جو ضرورت پیش آئی اسے ان کے مذہبی پیشواؤں نے اپنے خود ساختہ احکام سے پورا کیا' اور ان احکام کو خدائی احکام کی حیثیت سے منوایا۔ اسلام میں اس مذہبی حکومت (Theocracy) کا صرف ایک جز آیا ہے' اور وہ ہے خدا کی حاکمیت کا عقیدہ۔ اس کا دوسرا جز اسلام میں قطعاً" نہیں ہے۔ رہا تیسرا جز' تو اس کے بجائے یہاں قرآن اپنے جامع اور وسیع احکام کے ساتھ موجود ہے' اور اس کی تشریح کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی قولی اور عملی ہدایات موجود ہیں جن کی روایات میں سے صحیح کو غلط سے ممیز کرنے کے مستند ذرائع ہمیں حاصل ہیں۔ ان دو ماخذ سے جو کچھ ہمیں ملے صرف وہی من جانب اللہ ہے۔ اس کے سوا کسی فقیہ' امام' ولی یا عالم کا یہ مرتبہ نہیں ہے کہ اس کے قول و فعل کو حکم خداوندی کی حیثیت سے بے چون و چرا مان لیا جائے۔ اس صریح فرق کے ہوتے ہوئے اسلامی ریاست کو مغربی اصطلاح میں مذہبی حکومت (Theocracy) کہنا قطعاً غلط ہے۔

دوسری طرف مغرب میں جس چیز کو جمہوری حکومت (Democracy) کہتے ہیں وہ بھی دو بنیادی تصورات کا مجموعہ ہے:

(۱) عوام کی قانونی اور سیاسی حاکمیت جو عوام کی اکثریت' یا ان منتخب کیے ہوئے نمائندوں کی اکثریت کے ذریعہ سے عملاً ظہور میں آئے' اور

(۲) ریاست کا انتظام کرنے والی حکومت کا عوام کی آزادانہ خواہش سے بننا اور سکنا۔

اسلام اس کے صرف دوسرے جز کو لیتا ہے۔ رہا پہلا جز تو اسے دو حصوں میں تقسیم کرکے قانونی حاکمیت اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص کردیتا ہے جس کے احکام (خواہ وہ

کتاب اللہ میں ہوں یا سنت رسول اللہؐ میں) ریاست کے لیے ناقابل تغیرّ و تبدّل قانون کی حیثیت رکھتے ہیں' اور سیاسی حاکیت کو "حاکمیت" کے بجائے "خلافت" (یعنی اللہ' حاکم حقیقی کی نیابت) قرار دے کر ریاست کے عام مسلمان باشندوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ یہ خلافت مسلم عوام کی اکثریت یا ان کے معتمد علیہ نمائندوں کی اکثریت کے ذریعہ سے عملاً ظہور میں آئے گی۔ اس بنیادی فرق کو دیکھتے ہوئے اسلامی ریاست کو مغربی اصطلاح کے مطابق جمہوریت (Democracy) کہنا بھی کسی طرح صحیح نہیں ہے۔"

(اسلامی ریاست' صفحہ ۴۷۹' ۴۸۰' ۴۸۱)

یہی وجہ ہے کہ مولانا مودودیؒ نے اسلامی ریاست کے مزاج کو واضح کرنے کے لیے ایک نئی اصطلاح وضع کی "الٰہی جمہوری ریاست" "Theo Democracy" (ملاحظہ ہو' "اسلامی ریاست" ص ۱۳۰)

اس بحث سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ تھیوکریسی کا ہوّا مخالفین کی محض ایک ذہنی اختراع ہے۔ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں اور علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ سے لے کر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ تک اور تمام ہی مسلمان علماء اور مفکرین نے اسلامی ریاست کو اس سے مختلف اور ممیز نظامِ حکومت قرار دیا ہے۔ شریعت بل کے سلسلہ میں تھیوکریسی کی بحث محض ایک خلط مبحث ہے۔ پھر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ پاکستان ہی نہیں پوری دنیا میں اسلامی ریاست کے قیام کی جدوجہد ہو رہی ہے۔ اس عالمی تحریک سے وابستہ علماء اور مفکرین نے تو بڑھ چڑھ کر عوام کے حقوق کی حفاظت کی لڑائی لڑی ہے' جمہوری اداروں کے قیام اور اللہ کے قانون کے سب پر اطلاق کا مطالبہ کیا ہے اور اس جدوجہد میں بیش بہا قربانیاں پیش کی ہیں۔ علماء نے قانون کی تعبیر کا حق بھی صرف اپنے لیے نہیں مانگا۔ ان کا تو موقف ہی یہ ہے کہ ملک کی اعلیٰ عدالتوں کو تعبیرِ دستور و قانون کا اختیار ہونا چاہئے اور عدالتیں ہی یہ طے کریں کہ کونسا قانون شریعت سے مطابقت رکھتا ہے اور کہاں ان کے درمیان تصادم ہے۔ بلاشبہ عدالتوں میں قانون کا علم رکھنے والوں کے ساتھ ساتھ دینی علم رکھنے والے افراد بھی ہونے چاہئیں اور یہ ضرورت ملک کے تعلیمی نظام کی تشکیلِ نو' خود قانون کی تعلیم کی اصلاح اور دینی علم رکھنے والے افراد کو عدالتوں میں مقرر کرنے سے پوری ہو سکتی ہے۔ اس سے زیادہ جمہوری موقف اور کونسا ہو سکتا ہے؟

بقیہ بر صفحہ ۲۷

رسائل و مسائل

محکمات و متشابہات اور چند دیگر فقہی مسائل

چند معروضات آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں' امید ہے آپ جواب سے شاد کام فرمائیں گے۔

۱۔ قرآن مجید میں محکمات اور متشابہات کا ذکر آیا ہے۔ ہم کس طرح ایک کو دوسرے سے ممیز کر سکتے ہیں' اس سلسلے میں ایک دو مثالیں درج کریں۔

۲۔ عورت کے نکاح کے سلسلے میں کہا گیا ہے کہ اس کی رضا مندی ظاہر کرنے کے تین طریقے ہیں۔ زبانی' تحریری اور خاموشی جسے دوسرے لفظوں میں Implied Consent کہتے ہیں۔ ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔

۳۔ خلیفہ کے معنی نائب کے ہیں اور ظاہر ہے نائب سے مراد اللہ کا نائب ہے۔ تو خلافت' خلیفہ راشد اور خلیفۃ اللہ فی الارض کو کن معنی میں منطابق کیا جاسکے گا' اور اگر حکومت کی زمام کار ان کے ہاتھ میں نہ ہو تو بھی کیا ہم ایسے شخص کو خلیفہ کہہ سکتے ہیں جو اللہ کا پیغام' اللہ کے لوگوں کو پہنچا رہا ہو؟

۴۔ کیا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ ہی نے جنگ کے لیے آمادہ اور سربراہ مقرر کیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جنگ جمل کے بارے میں کیا موقف اور کیا رد عمل تھا' جبکہ بعض لوگ عورت کی سربراہی کے سلسلے میں اس واقعہ کو جواز میں پیش کرتے ہیں۔

جواب: آپ کے سوالات کے مختصر جوابات درج ذیل ہیں۔

۱۔ قرآن مجید' سورۃ آل عمران' آیت ۷ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ "وہی ذات پاک ہے جس نے تم پر کتاب نازل فرمائی' اس کی بعض آیات محکمات ہیں جو کتاب کی بنیاد و اساس ہیں' بعض دوسری آیات متشابہات ہیں"۔ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے تفہیم القرآن جلد اول میں دونوں قسم کی آیات کی بڑی عمدہ دل نشین تشریح فرما دی ہے۔ آپ یہ جلد حاصل کر کے مطالعہ کریں۔ اس

سے بہتر توضیح مشکل ہے۔ تاہم اجمالی طور پر آپ یہ سمجھ لیں کہ محکمات وہ آیات ہیں جن کا تعلق قرآن پاک کی بنیادی دعوت اور اسلام کے اوامر و نواہی سے ہے۔ جن کے سمجھنے سمجھانے میں کوئی دقت پیش نہیں آسکتی اور متشابہات سے مراد وہ آیات ہیں جن میں ماوراء الطبیعات اور عالم محسوسات سے برتر حقائق کو بیان فرمایا گیا ہے مثلاً نماز پڑھو' روزہ رکھو' زکوۃ دو' چور کا ہاتھ کاٹو' یہ ایسے احکام ہیں اور ان کی ایسی واضح تشریحات قرآن و حدیث میں ہیں کہ ان کے ادراک میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ لیکن جنت' دوزخ' ارض و سماوات سے متعلق بعض آیات ایسی ہیں جن کی کُنہ اور حقیقتِ کاملہ کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ تاہم جو آیات متشابہات ہیں وہ بھی اس پہلو سے محکمات کہی جاسکتی ہیں کہ وہ کتاب اللہ میں وارد ہیں۔ اور ہم ان پر پختہ ایمان رکھتے ہیں۔ چنانچہ سورہ ہود کا آغاز یوں ہے۔

الٓرٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ ○ (ہود : ۱)

(یہ کتاب ہے جس کی آیات کو محکم کیا گیا' پھر ان کی تفصیل بیان فرمائی گئی حکیم خبیر کی جانب سے)

یہاں پوری کتاب کی ساری آیات کو محکم کہا گیا ہے۔

۲۔ عورت کی بوقت نکاح رضامندی کی مکمل وضاحت حدیثِ صحیح میں وارد ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت اگر بیوہ یا مطلقہ ہے تو اس کی رضامندی زبان کے اذن سے ضروری ہے البتہ کنواری عورت ایجاب و قبول کے وقت اگر خاموش رہے اور انکار نہ کرے تو اس کی خاموشی' اذن کی ہم معنی ہے۔ تحریری رضامندی صرف اس حالت میں معتبر ہوگی کہ فریقینِ نکاح کا ایک مقام پر موجود ہونا ممکن نہ ہو' مثلاً ایک پاکستان میں ہو' دوسرا فریق عرب میں ہو اور ایک مجلس میں حاضری دشوار ہو۔

۳۔ خلیفہ سے مراد نائب ہے۔ ہر فرد بشر اس لحاظ سے اللہ کا نائب ہے کہ اسے ارادہ و عمل کے محدود دائرے میں آزادی ہے اور وہ اس کے صحیح یا غلط استعمال پر عند اللہ مسئول ہے۔ خلافت' خلیفہ کا لفظ جب امارت و حکومت کے حوالہ سے استعمال ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ افراد کو فرداً فرداً اللہ تعالیٰ نے جو آزادی و اختیار بخشا ہے وہ ایک حد تک اس سے دستبردار ہو کر اپنے اختیارات کو ایک امیر یا خلیفہ کے سپرد کردیتے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ جماعتِ مسلمین کا نائب اور نمائندہ ہوتا ہے اور اسے خلیفۃ المسلمین کہا جاتا ہے۔ خلیفہ کے لفظ کے اس دوگونہ مفہوم میں کوئی باہمی تضاد نہیں ہے۔

یہ بات صحیح نہیں ہے کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے حضرت عائشہؓ کو جنگ کے لیے آمادہ کر کے انہیں سربراہ مقرر کیا تھا۔ ان دونوں اصحاب کا اصل مطالبہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ قاتلین عثمانؓ کو گرفتار کر کے قصاص لیں۔ حضرت علیؓ کا جواب یہ تھا کہ قاتلین عثمان ابھی تک مدینہ منورہ پر چھائے ہوئے ہیں' حالات پر امن اور پرسکون ہوں تو قصاص لیا جائے گا۔ مگر دونوں اصحاب کا اطمینان نہ ہوا۔ وہ مکہ معظمہ روانہ ہوگئے اور وہاں سے حضرت عائشہؓ کو ساتھ لے کر بصرہ و کوفہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ بصرہ پہنچنے پر عراق کے ہزاروں ہمنوا ان کے ساتھ ہوگئے۔ حضرت علیؓ نے حالات کو پرخطر دیکھا تو خود بصرہ جانے پر تیار ہوگئے۔ دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو بہت سے مخلصین نے مصالحت کی کوشش کی مگر دونوں طرف ایسے فتنہ پرداز موجود تھے جنھوں نے جنگ کی آگ بھڑکا دی۔ حضرت عائشہؓ ہودج میں اونٹ پر سوار تھیں' ام المومنین تھیں' اس لیے آپ سے آپ بصری لشکریوں نے انہیں سربراہ بنا لیا۔ حضرت علیؓ نے حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کو اپنے پاس بلایا' دونوں تشریف لائے تو حضرت علیؓ نے انہیں بعض ارشاداتِ نبویہ یاد دلائے جس پر حضرت طلحہؓ اپنے لشکر کی آخری صف میں چلے گئے اور مروان نے انہیں شہید کردیا۔ اس طرح حضرت زبیرؓ بھی لشکر سے الگ ہوگئے مگر انہیں بھی ایک بدبخت ابن جرموز نے شہید کردیا اور حضرت علیؓ کو جاکر خبر سنائی تو انہوں نے قاتل کو جہنم کی بشارت دی۔ حضرت عائشہؓ ہودج میں سوار رہیں حتیٰ کہ بصریوں کو شکست ہوئی۔ حضرت عائشہؓ کے بھائی حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ حضرت علیؓ نے انھیں بھیجا کہ وہ اپنی ہمشیرہ کی مہار تھامیں اور انہیں بحفاظت عزت و احترام کے ساتھ مدینہ لے جائیں۔ انہیں بھی حضرت علیؓ کے بالمقابل آنے پر عمر بھر افسوس رہا اور اس واقعہ کو یاد کر کے روتی رہتی تھیں۔ بہرکیف اس مقاتلہ کا اصل باعث دونوں طرف کے فتنہ پرداز منافقین تھے اور فریقین کے مخلصین ہرگز قتال کے خواہاں نہ تھے۔ حضرت عائشہؓ کا مکہ معظمہ سے بصرہ کے لیے روانہ ہونا اور لشکر کی قیادت سنبھال لینا ایک غلطی تھی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتیں تو اتنی بڑی خونریزی غالباً" نہ ہوتی۔ بہرحال یہ اللہ کی مشیت تھی۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد یہ تیسرا حادثہ فاجعہ تھا جو امتِ مسلمہ کے مابین پیش آیا۔ اس سے عورت کی سربراہی کے حق میں نہیں بلکہ اس کے خلاف دلیل فراہم ہوتی ہے۔ دیگر ازواجِ مطہراتؓ نے حضرت عائشہؓ کو اس طرح نکلنے سے روکا تھا۔ خلفائے راشدین کے انتخاب کے ہر موقع پر ازواجِ مطہراتؓ موجود تھیں۔ لیکن کسی صحابی نے ازواجِ مطہراتؓ کے نام امارت و سربراہی کے لیے پیش نہیں کیے۔ نہ کبھی جہاد میں انہیں سپہ سالار بنایا گیا۔

مطبوعات

یاوہ گوئی بمقابلہ شائستگی: انگریزی کتاب Scrilege Versus Civility' مرتبین جناب ایم ایم احسن و اے آر قدوائی۔ ناشر: اسلامک فاؤنڈیشن'

Ratbylane 'Markfield Dawah Centre , Markfield Leicester,

LE6 ORN (U.K) - کتاب کا سرورق' کاغذ' ٹائپ اور طباعت دلکش ہے۔ قیمت نامعلوم۔

یہ خوبصورت ' دلچسپ اور اذیت ناک کتاب اسلامی نقطہ نظر سے The Satanic Verses کے احوال و ظروف کا مطالعہ ہے۔ اس کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ مرتبین نے شیطانی مزخرفات (از رشدی) کے خلاف شائستگی کی عدالت سے مکمل طور پر عقلی و منطقی اور تقابلی لحاظ سے فیصلہ دلوا دیا ہے کہ رشدی کا کارنامہ اسلام اور داعی اسلام کے تقدس پر کیچڑ اچھالنے کی صورت میں بدتمیزی اور بے حرمتی کی کارروائی ہے۔ برطانیہ ' امریکہ اور بقیہ یورپ نے اس سیاہ کارانہ کارروائی کی حمایت کرکے صریحاً" شرفِ انسانیت اور تہذیب و شائستگی کو مجروح کیا ہے۔ یہ کتاب اس امر کی ایک اچھی مثال ہے کہ دونوں جانب کے اظہارات اور طرزِ عمل کو تقابلاً" سامنے رکھ کر گویا عقل و شرافت کی میزان کے دونوں پلڑوں میں دو گونہ رجحانات کو پیش کرکے معدلت گستری کا ایک کارنامہ سرانجام دیا گیا ہے' اور متعصب عیسائیوں' مغرب کی مسلم دشمن ذہنیت اور مستشرقین کی علمی ناوک اندازیوں اور نشتر زنیوں کو بے وقعت ثابت کرنے کا ایک راستہ نکالا ہے۔

چونکہ اس مرتبہ ہمیشہ سے بھی زیادہ اجمال اختیار کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے' کیوں کہ کتابوں کا ایک طومار تبصروں کے لیے پڑا ہے' لہٰذا چند مختصر باتیں مندرجات (بلکہ ابواب) کے متعلق ہوں گی۔ پہلے باب میں آپ مسلمانوں کا ردعمل دیکھیے کہ وہ کس نہج سے سوچتے ہیں اور مغربی ماحول کیا صدائے بازگشت دیتا ہے۔ دنیا بھر کے اکابر مسلمین اور اداروں نے جو کچھ سوچا اور کہا اس کا اجمالی ریکارڈ حاضر ہے۔ دوسرے باب میں سلمان رشدی کی انسانی اور ذہنی کیفیت اور سطح کا جائزہ ہے۔

تیسرے باب میں بتایا ہے کہ خرافات رشدی کے دفاع میں مسلمانوں کے ردعملی جذبات' استدلال اور مظاہروں کا جواب دیتے ہوئے کج اندیش مغرب کیا تاثر ظاہر کرتا ہے۔ صرف ذیلی عنوان دیکھیے: (۱) مسلمان برطانیہ کے لیے نازی ہیں' (۲) رشدی کی کتاب نہیں بلکہ مسلمانوں کا احتجاج بدمزگی رکھتا ہے' (۳) اسلامی منڈلی کے داؤں پیچ' (۴) اسلام کے خلاف متحد ہو جاؤ۔ (یعنی رشدی کی ہفوات کے تحفظ کی خاطر!) (۵) برداشت کی حدود۔ (مطالبہ ہے کہ مسلمانوں پر سختی کرنی چاہیے۔) (۶) ایک اسلامی کابوس' (۷) رشدی کے متعلق چیخم دھاڑ کا مدعا بلیک میل کرنا ہے۔

پھر تذکرہ ہے ان شائستگی پسندانہ آوازوں کا جو مخالف حلقوں سے اٹھیں۔

ایک ضروری باب وہ ہے جس میں محروم رشد' رشدی کے متعلق واقعات و احتجاجات اور اقوال کا تاریخ وار نقشہ پیش کیا گیا ہے۔

باب ۵ میں مسلمانوں کا استدلال تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔

مگر بس اب میں بقیہ نصف کتاب پر کچھ نہیں لکھ سکتا۔ بیان کردہ ان نکات سے آگے کے مباحث کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

سرورق پر بڑی خوبصورتی سے آرٹسٹ نے ورلفنالک ذکرک کو پانچ سطروں میں ڈیزائن کیا ہے۔

اگر شائستگی اجازت دیتی تو عنوان کا ترجمہ میں "پھکڑپن بمقابلہ شائستگی" لکھتا۔ مگر قلم کی ایک حد اخلاق ہے۔

میرے بچپن کی دنیا: مرتبہ جناب رفیع الزمان زبیری۔ ناشر: نونہال ادب۔ ہمدرد فاؤنڈیشن' ہمدرد سنٹر' ناظم آباد کراچی' کاغذ' طباعت خوشنما' گتے کی مضبوط جلد' رنگین ڈیزائن سے آراستہ۔ قیمت ۳۰ روپے۔

میں نے یہ کتاب پڑھی تو اپنے بچپن کے زمانے کو (انفرادی لحاظ سے بھی' معاشرتی اور سیاسی لحاظ سے بھی) ایک دلچسپ بھولا بسرا خواب محسوس کیا۔ جی چاہا کہ اگر میں اپنے اس جزیرہ ماضی کی سیر کر سکتا بلکہ موجودہ حال سے بھاگ کر میں وہیں ایک جھونپڑی ڈال سکتا تو کتنا دلکش واقعہ ہوتا۔ سیاسی لحاظ سے اس دور کی اہم ترین تلخی' احساس غلامی کی وجہ سے تھی جو سمجھ بوجھ پیدا ہوتے ہی نیش زنی کرنے لگتی ہے۔ مگر وہ فضائے امن' وہ انسانی یگانگت' وہ تمام اشیاء کا خالص ملنا' وہ

ارزانی' وہ مسجدوں میں نمازی' گھریلو ناظرہ قرآنی درسوں میں چھوٹے بچوں اور بچیوں کے ہجوم۔ یہ سب کچھ یاد آتا ہے تو اس کے بالمقابل خوف اور جرم کی ماری ہوئی دنیا' انسانی قدروں کی تباہی' اولاد آدم کا اپنے ہی برادران انواع کے لیے قاتل' ڈاکو اور خیانت کار بن جانا' اخباروں کا طوفان' لیڈروں اور علما کا شور' گانے بجانے سے تھرتھراتی فضا' بسوں اور ریلوں کے سامانوں کی بربادی' اپنے ملک کی املاک کی آتشزنی وغیرہ احوال کو دیکھتا ہوں تو اقبال کا وہ شعریاد آتا ہے کہ۔

از زمان خود پشیماں می شوم   در قرون رفتہ پنہاں می شوم

اس کتاب کے ذریعے آپ حکیم محمد سعید' اختر حسین رائے پوری' سید ہاشم رضا' ابن الحسن' حمیدہ بیگم' علی احمد بروہی' عشرت رحمانی' اے حمید اور حسن الدین قریشی جیسے اکابر سے ان کے بچپن کی داستانیں سنیے اور ان چیزوں کو نوٹ کیجیے جو اچھی تھیں اور مٹ گئیں یا جو بری تھیں اور رائج ہو گئیں۔

اس مطالعہ سے آپ میں نئی سوچ پیدا ہوگی کہ کیا ہونا چاہیے اور کیسے؟

یہ کتاب اصلاً" بچوں کے لیے ہے اور انہی کے خیالات و احساسات کل کی دنیا کو نئی شکل دیں گے۔ اسے پڑھتے ہوئے ایسے سبق ملتے ہیں کہ ہم بھی اپنے آپ کو بچپن کے دور میں گھومتا پاتے ہیں۔

انسانیت کی تلاش: از قلم برادرم پروفیسر عبدالحمید صدیقی مرحوم۔ مرتب: سلیم منصور خالد۔ ناشر: شفیق الاسلام فاروقی' حرا پبلی کیشنز' اردو بازار لاہور۔ کمپیوٹری طباعت۔ سفید کاغذ' سرورق دبیز' رنگین۔ قیمت ۳۶ روپے۔

محترمی پروفیسر عبدالحمید صدیقی جو مجھ سے پہلے کئی سال "ترجمان القرآن" کی ادارت کا فریضہ نہایت قلیل وظیفے اور کثیر محنت کے ساتھ ادا کرتے رہے ان کے چند "اشارات" یعنی ترجمان القرآن کے اداریے جمع کیے گئے ہیں۔ ان کو پڑھ کر ایک طرف ان کی وسعتِ مطالعہ اور عمقِ شعور کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف ان کی دینی حس اور مضبوط ایمانی خودی لفظ لفظ میں کارفرما دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے اپنے دور کے کسی فتنے یا برے طرز عمل کو بغیر چیلنج کیے نہیں جانے دیا۔ خصوصاً" مغربی تہذیب و الحادی علوم کی یورش اور مضر اسلام کارروائیوں پر انھوں نے سخت گرفت کی۔ مثلاً آپ "ٹرائے کا گھوڑا اور مغرب" پڑھیں' "نیکی بذریعہ بدی" کے عنوان ہی پہ غور کریں' "سانحہ جلیانوالہ باغ" پر صدیقی صاحب کی رائے اور تاثر کو دیکھیں' "طاقت در

جدیدیت اور ملا" میں مرحوم کا تجزیہ احوال دیکھیں۔ "انار کلی کے دیوانے" جیسی تحریر کی فضا میں داخل ہوں "پروفیو موکیلر اسکینڈل" کے واقعہ اور اس سے اخذ کردہ نتائج پر توجہ کریں' اسی طرح بقیہ مضامین کو بھی جانچیں۔ اندازہ کریں کہ کتنا سچا آدمی تھا وہ! کتنا مضطرب اور سوزش پنہاں کا امین! کتنے وسیع تناظر میں وہ ماضی و حال کو آمنے سامنے لا کر دکھاتا۔

ساری تحریر کا مقصد انسانیت اور اس کی ان قدروں کی تلاش اور ان کا احیا ہے' جن کے مجموعے کا نام اسلام ہے۔

اپنے جی کو جلا جلا کر' معیشت کے صحرائے بے آب میں سے گزرنے والا' سحر کو بچوں کو سوتا چھوڑ کر گھر سے لاہور کے لیے نکلنے اور رات کو ان کے سو جانے کے بعد گھر پہنچنے والا وہ صاحب فکر و قلم' ان مقالات میں آپ کو اپنی شان فقر اور خوئے محنت کے ساتھ دکھائی دینے لگے گا۔

———○———

Kashmir Bleeds: مدیران: سید نورالحسنین رافعی (ریٹائرڈ) آئی' ایف' ایس و عبدالکبیر کاری پاک (ریٹائرڈ) آئی' ایف' ایس۔ مرتب: دی ہیومن رائٹس کمیشن' سرینگر۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز' بلاک ۱۹' مرکز F/7 اسلام آباد۔ صفحات ۲۲۴۔ نیوز پرنٹ پر خوبصورت انگریزی ٹائپ۔ مع تصاویر' اچھی جلد بندی۔ عنوان ڈیزائن دار۔ قیمت ۱۲۰ روپے۔

انگریزی کی اس کتاب کی بڑی اہمیت ہے۔ اہل کشمیر اپنے مسلمہ حق خودارادیت کے لیے تقسیم کے بعد سے مسلسل بھارتی استبداد کی چکی میں پستے رہے ہیں۔ مگر آج کی صورت حال مختصر لفظوں میں یہ ہے کہ درندوں کے گلے' تباہ کن اسلحہ اور تیز رفتار گاڑیوں کے ساتھ' بڑی تعداد میں اہل کشمیر کے خلاف اس طرح ٹوٹ پڑے ہیں کہ وہ کسی کشمیری کو زندہ رہنے کا موقع نہیں دینا چاہتے۔ بے وجہ چلتے یا کھڑے جوانوں اور بچوں کو مار دینا' گھروں کو جلانا' انسانوں کو زندہ حوالہ آتش کرنا' خواتین کو بہیمیت کے آخری گندے سلوک کا نشانہ بنانا' مجاہدین کو گولیوں کا نشانہ بنانے کے علاوہ ان کی مسلسل گرفتاریاں کرکے مختلف کیمپوں اور جیلوں میں فورتھ ڈگری کی اذیتوں سے دوچار کرنا' اعضا اور ہڈیاں توڑ دینا' انھیں غذاؤں اور صابن وغیرہ کے ذریعے مختلف بیماریوں کا شکار بنانا' بعض کو جنسی اعضا سے محروم کر دینا' بجلی کے جھٹکے جسم کے نازک حصوں پر' برف پر لٹانا' سخت سردی میں ایک ایک سوراخ دار گندے کمبل میں راتیں گزروانا' کشمیر ہائی کورٹ کے فیصلوں کی ذرا بھر پروا نہ کرنا' پھل دار درختوں کی تباہی' فصلوں کی بربادی' قحط کی حالت مسلط کر دینا اور اس سے بھی بدتر تفاصیل اگر کوئی جا کر دیکھے تو شاید وہ کئی دن تک کھانا نہ کھا سکے' بلکہ اپنی زندگی

کو زندگی، رائیگاں سمجھے۔ آفرین ہے ان مسلمان زادوں پر جو جنگ بندی لکیر کے اس پار شرابیں پیتے، زنا کرتے، ثقافتی مجالس میں عورتوں کو نچواتے، ٹیلی ویژن پر جنسیت کی بہاریں دیکھتے اور دکھاتے، ہوٹلوں میں شاندار قسم کی ضیافتیں اڑاتے، ڈاکے ڈالتے، گاڑیوں اور بسوں پر حملے کرتے، تخریب کاری کے لیے بموں سے تباہی لاتے ہیں اور اس کے بعد کشمیر کے لیے نعرے لگتے ہیں، کشمیر کے لیے جلسے ہوتے ہیں، جلوس نکالے جاتے ہیں، ان سے یک جہتی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ایک شخص زخموں سے چور چور تڑپ رہا ہے اس کے ساتھ پلاؤ کباب کھا کر کیا یک جہتی دکھائی جاسکتی ہے۔

اس کتاب میں نہایت عجیب قسم کا مواد جمع ہے۔ کشمیریوں کے حق خود اختیاری پر انڈیا کے منوسانی کا مضمون، سر زمین کشمیر کے حقائق از اشوک مہتہ، انوراوحلوت کا بغاوت، آنسوؤں بھری وادیٔ کشمیر از اندر جیت بدھوار، زبردستی کا چھاپہ مار از عائشہ کا گل (ایک نوجوان اخبار لینے گیا اور گولی کا نشانہ بنادیا گیا)۔ کتاب کے مندرجات تو کیا، اگر صرف عنوانات کی فہرست ہی دی جائے تو بڑی جگہ چاہیے۔ مختصر یہ کہ نہایت دردناک عنوانات کے تحت خود بھارتی ہندو صحافیوں اور دانشوروں اور دوسرے اہم لوگوں کے قلم سے ایسی خوفناک اور شرمناک تفاصیل سامنے آتی ہیں کہ زندگی کا سارا کیف ختم ہو جاتا ہے۔ پھر خود مسلمانان کشمیر کے بھی دلوں کے زخم سامنے آتے ہیں۔

آخر میں ڈاکٹر غلام نبی فائی کا وہ محضر نامہ ہے جو امریکی بار ایسوسی ایشن کی بین الاقوامی حقوق انسانی کی کمیٹی کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس رپورٹ میں کشمیر کے دردناک حقائق کو بیشتر غیر جانبدار لوگوں کی رپورٹوں کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے۔

کتاب میں یہ بھی مذکور ہے کہ کینیڈا کی ٹورسٹ مسز لارا جین کو کشمیر کی حفاظتی سپاہ نے ہاؤس بوٹ سے اغوا کرلیا اور جھیل ڈل کے قریب کی پہاڑیوں میں اس کی نسائیت کی بد ترین توہین کی۔

لیکن آفرین ہے انسانی حقوق کے بڑے بڑے عالمی ٹھیکے داروں کو کہ جنھوں نے رسمی طور پر بھی کشمیر میں کوئی وفد بھجوانے یا اخباری نمائندوں کے ذریعے رپورٹیں حاصل کرنے کا اور پھر ان بھیڑیوں اور چیتوں کے رویے کو رکوانے کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ مغربی پریس ٹھنڈے ٹھنڈے انداز سے کشمیر کے احوال کے اجزا اس طرح لکھتا ہے جس طرح کوئی لطیفے سنائے جارہے ہوں یا بجھارتیں۔ کوئی جذبہ نہیں، کوئی احساس نہیں، کوئی خلش ضمیر نہیں، جمہوریت و تہذیب کے تقاضوں کا کوئی لحاظ نہیں۔ ریڈ کراس کی کوئی ٹیم قحط زدہ کشمیر میں غذا و دوا پہنچانے کے لیے کسی

نے نہیں بھیجی' سب پتھر کے بنے ہوئے ہیں یا ہیروئن چاٹ کر بدمست ہیں۔ انسان نہیں' کٹھ پتلیاں ہیں۔ عراق پر کس تیزی سے امریکہ اور سارا مغرب جھپٹا' لیکن کشمیر کی مظلومیت اور بھارت کے وحشیانہ استبداد کا کوئی نام نہیں لیتا۔ کیوں کہ بھارت سے تو دوستی ہے۔ وہ ہندو ریاست ہے' مسلمانوں کو مار رہی ہے اور یہی امریکہ اور مغرب کی تمنا ہے۔

مگر دوسروں کو تو چھوڑیے۔ مسلمانان کشمیر کے ساتھ اتنا شدید ظلم کرنے پر بھی خود مسلمان ملکوں کے احساسات ایمانی پر جوں تک نہیں رینگی۔ کسی نے تجارتی بائیکاٹ نہیں کیا' کسی نے سفارتی تعلقات ختم نہیں کیے۔ عربوں کو درد ہوا تو ایک فلسطین کا۔ ہم نے ان کی خاطر یہودیوں سے تعلقات نہیں رکھے۔ لیکن ہمارے مسلمان بادشاہ اور امرا اور ان کی قومیں بھارت سے یہ نہیں کہہ سکتیں کہ تمھارے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگین ہیں' ہم تم سے دوستانہ مصافحہ نہیں کر سکتے۔

بہرحال یہ کتاب اینٹ پتھروں اور لوہے کی گارڈروں پر تو اثر نہیں کر سکتی' لیکن جہاں کہیں انسانیت ہوگی' وہ تڑپ اٹھے گی۔

قرآنی دعوت انقلاب، مولفہ مولانا محمد علی ایم اے (کینٹب)۔ صفحات ۳۲۶ دیز ٹائٹل۔ ملنے کا پتہ: بیگم زاہدہ محمد عمر' نمبر ۲۲۶ سی پی اینڈ برار سوسائٹی' بلاک ۸/۷ کراچی نمبر ۵۔ نیز مکتبہ ایوبیہ ناشران کتب اسلامی' کراچی ۷۴۲۰۰ ۔ قیمت نامعلوم۔

مولانا محمد علی (کینٹب) کی زیارت بھی ہوتی رہی' تھوڑی بہت گفتگو بھی۔ وہ ہمارے قریبی خیر خواہ تھے۔ ان کی زندگی دینی خدمات سے مزین رہی۔ ان کی یہ کتاب قرآن کی آیات اور احادیث مبارکہ پر مبنی ہے۔ ہر چیز کی دلیل انھوں نے کتاب و سنت سے دی ہے۔ ۳۲۶ صفحے کی کتاب میں سے میں صرف ایک مقام کو لے رہا ہوں۔ روایتی علما کے بخلاف انھوں نے نظام زندگی کے متعلق یہ کلام کیا ہے:

"دنیا میں نظام زندگی (The Art of living) کے متعلق ۲ ہی نظریے ہو سکتے ہیں۔ ایک نظریہ تو خدائی نظریہ حیات ہے جسے اسلام پیش کرتا ہے اور جس کے متعلق اس کا دعویٰ ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سب نے یہی نظریہ حیات پیش کیا۔ اور وہ نظریہ یہ ہے کہ زمین خدا کی ملکیت ہے اور اس لیے اس پر صرف خدا کا حکم جاری ہونا چاہیے۔

انسان زمین پر خدا کا خلیفہ یعنی نائب ہے اور اس کے احکام کو نہ صرف نافذ کرنا بلکہ ان کی کمال اطاعت' اور سچے دل سے اس حقیقی مالک کی بندگی و پرستش کرنا اس کا فرض منصبی ہے اور حکومت و سلطنت' مال و دولت' اور تمام متاع دنیوی' یہاں تک کہ اس کی اپنی جان اور اس کی اولاد سب کے سب خدا کا عطیہ اور اس کی امانت ہیں جو محض بطور وسائل کے عطا ہوئے ہیں تاکہ وہ دنیا میں خدا کے مشن کو پورا کر سکے۔ اس کے تمام اعمال کا محرک خدا پر اعتقاد' تقویٰ اور رضائے الٰہی ہوتا ہے۔ وہ اپنے تئیں ہر عمل کے لیے خدا کے سامنے جواب دہ سمجھتا ہے۔"

دوسرا نظریہ حیات جو خدا کی بغاوت پر مبنی ہے' مادی نظریہ حیات ہے۔

(ص ۱۳۱'۱۳۴)

اس جملے کے بعد سوشلزم اور سرمایہ داری کو خالص مادی اور خدا و فطرت سے بغاوت قرار دیا ہے۔ تاریخ کے مادی تصور (Material Conception of History) کو بھی مادی اساس پر مبنی ظاہر کیا ہے۔

بس اسی سے اندازہ کرلیں کہ قرآن کی تعلیم کو انھوں نے کس نقطہ نظر سے دعوت انقلاب قرار دیا ہے۔ اوپر کے نقطہ نظر کے اجمال کی تفصیل میں بڑی لمبی بحث کی ہے۔ خصوصاً سوشلزم کے بارے میں تو بڑے حوالے جمع کیے ہیں۔

بہ حیثیت مجموعی کتاب دینی اور موجودہ دور اور نظریوں کی معلومات سے بھری پڑی ہے۔ ایسے صحت مندانہ نقطہ نظر سے جو کام کیے گئے ہوں' انھیں بالائے طاق نہیں ڈال دینا چاہیے۔

ماہنامہ رفیق منزل: مدیر اعزازی جناب منور حسین فلاحی۔ پتہ: رفیق منزل' ۲۳۰ ابوالفضل انکلیو' اوکھلا' نئی دلی ۱۱۰۰۲۵۔

اس وقت رسالے کا ایک خاص نمبر ہمارے سامنے ہے جس کا عنوان ہے "ہندوستانی سماج اور دعوت اسلامی" اس شمارے کی قیمت ۸ روپے ہے (صفحات ۱۷۶)

اداریے میں مولینا جلال الدین عمری کا ایک حوالہ دیا گیا ہے کہ "ہمارا اصل کام لوگوں پر اللہ کی طرف سے حجت قائم کر دینا ہے۔ انسانوں کو یہ بتانا ہے کہ اسلام یہ ہے اور اس کے بغیر ان کی نجات ممکن نہیں ــــ یہ حجت جب تک قائم نہیں ہو جاتی ایک پیغمبر نہ ہجرت کرتا ہے' نہ قتال۔ حالات ایسے بھی آسکتے ہیں کہ صرف ۲۳ سال میں دین قائم ہو جائے۔ اور یہ بھی ہو سکتا

ہے کہ ساڑھے نو سو سال میں بھی دین کا قیام نہ ہو۔ قرآن میں مختلف انبیاء کی جو مدت کار بیان ہوئی ہے اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ دین کا کام کرنے والے جلد بازی میں کوئی غلط کام نہ کر بیٹھیں۔"

اپنے مضامین کے لحاظ سے یہ نمبر اس لحاظ سے نہایت اہم درجہ رکھتا ہے کہ اس میں اسلامی دعوت کی مزاحمت کرنے والی جماعتوں اور تنظیموں یا سیاسی حالات کی گردشوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح پورا نقشہ کسی میدان جنگ کی طرح سامنے آجاتا ہے۔ جدید ہندو مذہبی تحریکات (جن میں پاگل پن کی حد تک متعصب عناصر بھی ہیں)' احیاء پسند ہندو طلبہ تنظیمیں۔ ان کے پاس احیا کے لیے کوئی نظام عدل و احسان تو ہے نہیں' بلکہ رسمیات نما کلچرل اجزاء' کچھ پرانی کہانیوں کے اساطیری تصورات' خصوصیت سے ہندومت کی عقلی طور پر کوئی وضاحت نہ ہونے کے باوجود اس کے بارے میں غیر عقلی منتشر خیالات کو عمل میں لانا۔ پھر کمیونسٹ طلبہ تنظیموں کا ذکر ہے۔ ہندوستان کی تہذیبی جارحیت کا جائزہ ہے۔ بھارتی سیکولرازم کی رنگارنگیاں مذکور ہیں۔ پھر ہندوستان کے دینی مدارس کا تذکرہ ہے۔

دوسرے حصے میں اسلام کی دعوت' بھارت میں سیاسی طریق کار' رزق حلال' رخصت و عزیمت کے تصورات' تربیت کی صورتیں' آخر میں تحریک اسلامی ہند کے متعلق افضل حسین صاحب سابق قیم جماعت اسلامی کا مقالہ ہے۔

میرا خیال ہے کہ یہ نمبر بھارت کے لیے تو اہم ہے ہی' ہمارے لیے بھی اس کا مطالعہ مفید ہے۔

———○———

سید مودودیؒ: از محمد حسین شیم۔ ناشر: شفیق الاسلام۔ ملنے کا پتہ: حرا پبلی کیشنز' اردو بازار لاہور۔ صفحات ۱۵۷۔ سفید کاغذ پر جدید طباعت۔ ڈیزائن دار رنگین' دبیز ٹائیٹل۔ قیمت ۳۶ روپے۔

ایسی شخصیتیں کم ہی نمودار ہوتی ہیں جن کے قرب میں رہ کر ہم جیسے عام آدمی افکار و کردار ہی کو بلند نہیں کرلیتے بلکہ لکھنے پڑھنے اور بولنے کی صلاحیتیں بھی آجاتی ہیں۔ ایسی شخصیت مولانا مودودیؒ کی تھی۔ جو چار دن ساتھ رہا وہ دیکھتے دیکھتے چمک اٹھا۔ میرے لیے اس کی بہترین کامیاب مثال جناب شیم ہیں۔ ٹائپسٹ تھے' اسی خدمت کے لیے بلائے گئے۔ مگر آج یکایک معلوم ہوا کہ اشہب قلم کی شہسواری میں ہم سے آگے نکل گئے ہیں۔ شاید ان میں شعاعیں

جذب کرنے کی صلاحیت زیادہ تھی۔

اس کتاب میں انہوں نے سید موصوف کی پرعزم زندگی کے بعض گمنام یا کم معلوم گوشے اس خوبی تصنیف و ترتیب کے ساتھ سامنے لا کے رکھ دیئے ہیں، گویا ایک شخص برسوں لکھتا پڑھتا ہے۔ ہم اگر خوش عقیدہ لوگ ہوتے تو اور بے شمار مثالوں کے ساتھ اسے بھی "کرامت" شمار کرتے۔ میں اپنا حال بیان کرتا ہوں، علم کھوکھلا تھا مگر اب ایسے مسائل سوجھ جاتے ہیں جو وسیع و عمیق مطالعہ کرنے والوں کے ہاتھ بہ مشکل لگتے ہیں۔ یہ میں طے کر کے جوان ہوا کہ تقریر مجھے کبھی نہیں کرنی، مگر ایک محب خدا کی توجہ (دعا اور حکم) کہ میں ایسا مقرر بنا کہ احباب ہر طرف مجھے گھسیٹتے تھے کہ ہر جگہ مطالبہ میرا ہی ہوتا۔ جملہ معترضہ معاف!

شمیم صاحب کو مولانا کے خطوط ٹائپ کرنے کا موقع ملا، اور کبھی ان کے کسی بیان کے سٹینسل تیار کرنے کا، مگر یہ خاموش طبیعت آدمی بے شمار چیزیں اپنے حافظے کے فائیل میں رکھتا رہا (جن میں سے بعض اپنے وقت پر راز ہوتیں) اور کچھ فکر و نگارش کے انداز کا اثر لیتا رہا۔ اس کا ماحصل آج سامنے آیا ہے۔ مولانا کی وفات کے ۱۳ سال بعد آج ماضی کے کئی قصے تازہ ہو کر سامنے آگئے ہیں۔ آباد شاہ پوری صاحب کو تاریخ لکھنے میں کام دیں گے۔ تحریک پاکستان کی یادیں، ریڈکلف ایوارڈ، قرار داد مقاصد، مولانا سید سلیمان ندوی سے خط و کتابت، مطالبہ ء دستور، اسلامی دستور، قادیانیت اور راست اقدام، سید مودودیؒ کی سزائے موت، منیر انکوائری رپورٹ، نوائے وقت کا کردار، مولانا مرتضیٰ میکش کا مقدمہ (مولانا کے خلاف مقدمہ کیا اور خود انھی پر اس کا وبال پڑا)، انگریزی کی تصحیح (عین عدالت میں)، مولانا سندھی سے روابط، جائزہ کمیٹی، مولانا کا امارت سے استعفیٰ، اجتماع ماچھی گوٹھ، مذاہب کی عالمی کانفرنس، بین الاقوامی کلوکیم (یہ بڑا معرکے کا اجتماع تھا)، چودھری محمد علی اور قادیانیت، خلافت و ملوکیت، سوشلسٹ علما کا کردار، بنگلہ دیش کا قیام، مولانا مودودیؒ اور گردے کی تکلیف، موت العالِم موت العالَم۔ یہ اہم سرخیاں ہیں۔

ابتدائیہ کی پہلی سطر میں مجھ سے معمولی بندے کے الفاظ کھٹکے، یوں لکھنے کا رواج نہیں، معمولی آدمی یا معمولی فرد لکھا جاسکتا تھا۔ ص ۷۷ پر مولانا کی ایک ایسی اہم تقریر ہے۔ جو نہ کسی اجتماع میں کی گئی، نہ پڑھا کر سنوائی گئی۔ صرف چند ضروری افراد کے سامنے مولانا نے اپنا نقطہ نظر رکھا۔ یہ فی الحقیقت نہ جماعتی لٹریچر کا حصہ ہے، نہ اس پر کوئی استدلال کیا جا سکتا ہے۔

جماعت میں بارہا آمریت پسند لوگ ابھرے (اس ذہنی کیفیت یا اجتماعی رویے کی ایک جھلک

میں مولانا امین احسن اصلاحی میں دیکھ چکا ہوں۔ زیر عتاب آیا ہوں۔ مگر جماعتی خودی کا سر خم نہیں ہونے دیا) اب بھی ہمارے ہاں ایسے لوگ موجود ہیں جو ابتدائی لٹریچر کی ایمان آفریں تحریروں اور وجد آفریں دعوت کار کو خارج از بحث رکھنا چاہتے ہیں۔ دستور کی باڑوں کو پھلانگ سکتے ہیں' جماعت کی روایات اور قدروں کی کوئی وقعت ان کے دلوں میں نہیں ہے' انھیں ہر حال میں نیا شہر بسانا ہے۔ شمیم صاحب کا یہ دلچسپ تقریری ریکارڈ (جسے برتا نہیں گیا) آج بڑے فتنہ کا موجب بن سکتا ہے۔ اول تو کون اور کتنے لوگ اس وقت یا آج تحریک اور جماعت کا فرق سمجھتے ہیں اور دونوں کو الگ الگ رکھ کر کام کا نقشہ بنا سکتے ہیں؟ مولانا کا مدعا ہرگز یہ نہیں تھا کہ نظم جماعت میں ضابطے ' حدود اور معیارات نہ ہوں اور ہوں تو مولانا مودودیؒ بہ حیثیت امیر جماعت و داعی تحریک ان سے بلند تر رہیں۔ اصل میں تحریکی رہنمائی کا مفہوم' جماعتی امارت سے جو فرق رکھتا ہے' نہ اس وقت پوری طرح سمجھا گیا اور نہ آج کوئی اس قابل ہے کہ سمجھ سکے۔ اچھا ہوتا کہ وہ جماعتی ضابطے کے دائرے میں استعمال نہ ہونے والی اس تقریر کو بالائے طاق ہی رہنے دیتے۔ یا پھر کم سے کم اب یہ بتائیں کہ جماعت کے اصل تشخص کو برباد کر کے آمریت کی راہ پر چلنے کے لیے مجھے یا آپ کو کونسی چیزیں روک سکتی ہیں۔ دور خلافت راشدہ کو سامنے رکھیے۔ آخری دور میں ایک طرف حضرت علیؓ خلیفہ راشد ہیں۔ دوسری طرف امیر معاویہؓ ڈٹے ہوئے ہیں۔ قرآن موجود' حدیث موجود' عملی روایات موجود' صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد موجود' مگر فتنہ کا حل نہ ہو سکا۔ آج بتایئے کہ تحریک اور جماعت کے فرق کو سمجھ کر ترازو کے تول صحیح چلنے والے کتنے لوگ آپ کے پاس ہیں۔ الختصر شمیم صاحب نے بڑی خدمت انجام دی ہے۔

ماہنامہ محفل: مدیر اعلیٰ جناب طفیل ہوشیار پوری۔ مقام اشاعت: شیخ بلڈنگ' رائل پارک' لاہور۔ بدل اشتراک ۱۵۰ روپے۔ خاص نمبروں کی قیمت فی پرچہ ۱۵ روپے یا ۲۵ روپے۔

یہ رسالہ ۴۳ واں سال پورا کر رہا ہے۔ ہمارے ملک میں کسی رسالے کی یہ عمر بڑی عمر ہے۔ اللھم زد فزد! جناب طفیل ہوشیار پوری بڑے زندہ دل اور قادر القلم اور نادر السخن شخصیت ہیں۔ وہ بڑھاپے کا منہ چڑانے کے لیے آج بھی مشاعروں میں بلند آواز سے لے کے ساتھ اپنا کلام سناتے ہیں۔ زودگو ہی نہیں بلکہ معیار کا بڑا اہتمام رکھتے ہیں۔ ہمارے کلاسیکل یا روایتی طرز غزل گوئی میں بڑا مقام رکھتے ہیں۔ آج جبکہ شاعری قافیہ ردیف اور وزن کی زنجیریں توڑتی ہوئی کہیں کی کہیں جا نکلی' طفیل صاحب اساتذہ کے رنگ کلام کو اڑنے سے بچائے ہوئے ہیں۔

بہرحال وہ ہمارے دور کے بزرگ شاعر ہیں اور مجھے ان کا بڑا احترام ملحوظ رہتا ہے۔ کمال یہ کہ انہوں نے رسالہ جاری کیا تو پھر اس کا تسلسل ٹوٹنے نہیں دیا۔ ان کی زندگی تک (خدا دراز کرے) تو محفل کو کوئی خطرہ نہیں، بعد کی ذمہ داریاں بعد والے سنبھالیں گے۔

اس وقت محفل کے دو سالنامے، ایک آزادی نمبر، ایک مجید امجد نمبر اور ایک یزدانی نمبر خاص طور پر میرے سامنے ہیں۔ ان نمبروں میں جس طرح انہوں نے اچھے اچھے لکھنے والوں کی محفلیں سجائی ہیں اور جو رنگ برنگے مضامین نظم و نثر جمع کیے ہیں انہیں میں ان کی ادبی کرامت کی طرح دیکھتا ہوں۔ بلاشبہ مدیر محمد خاں کلیم نے بھی تگ و دو کرنے اور خط و کتابت میں کسر نہ چھوڑی ہوگی مگر وہ بھی تو طفیل صاحب کے ہم قدم ہیں۔ مجید امجد اور یزدانی جالندھری دونوں کی شاعری پر اچھے مضامین آئے ہیں۔

خاص طور پر میں نے یزدانی جالندھری جیسے شریف شاعر کی وفات پر محفل کے خاص نمبر کو بغور پڑھا۔ لکھنے والوں کی فہرست میں وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی سے لے کر عارف عبدالمتین حافظ لدھیانوی، شیر افضل جعفری، منو بھائی، ڈاکٹر عبدالوحید قریشی، ڈاکٹر انور سدید، اے حمید حفیظ تائب، مرزا ادیب، عطاالحق قاسمی، سید ضمیر جعفری اور دوسری بہت سی شخصیتوں کی نگارشات شامل ہیں۔ گویا "محفل" نے خیالات و جذبات کے پھولوں کے ڈھیر یزدانی جالندھری کی قبر پر لگا دیے۔

آہستہ برگ گل بہ فشاں بر مزارما
بس نازک است شیشہ دل در کنارما

یہ چاروں نمبر گراں قدر ہیں۔

افکار معلم: نگراں پروفیسر سید محمد سلیم، مدیر اعلیٰ شبیر احمد منصوری، مدیر ظفر حجازی۔ فی شمارہ دس روپے۔ چندہ سالانہ ۱۰۰ روپے۔ (ارکان تنظیم کے لیے سالانہ چندہ ۸۴ روپے)

اس معیاری رسالے میں نہ صرف تعلیمی مسائل پر اعلیٰ درجے کے مقالات شائع ہوتے ہیں، بلکہ دوسرے دینی اور سیاسی موضوعات پر بھی اظہار خیال کیا جاتا ہے۔ مثلاً پیش نظر افکار معلم کے شمارے میں (مارچ ۹۲) اسلامی تحریکوں کا اجتماع (اداریہ) ہے۔ روزے پر مضمون ہے۔ اسلامی تعلیمات میں اعتدال کی اہمیت، ہجرت سے پہلے مکہ کی درسگاہیں، پولینڈ کا تعلیمی نظام، چین میں اسلام، مسلم یونیورسٹی برائے خواتین، سائنسی علوم میں انداز فکر، نینی الہ آباد جیل سے، جموں و

REGD. NO. L 5346

PHONE : 234014
236665

MONTHLY **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE